جلد ۲۰ و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن) عدد ۳، ۴، ۵

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مئی ۱۹۷۳ء

✶

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

✶

—— : یکے از مطبوعات :——

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲ - افغانی روڈ، سمن آباد - لاہور

(فون : ۶۸۲۴۵)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ―― اور ―― سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ―― اور ―― اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ― اور ― غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

دعوتِ توثیق عہد الست و تجدیدِ میثاقِ ایمان کا علمبردار

ماہنامہ

میثاق لاہور

جلد ۲۰ ——— شمارہ، ۳-۴

بابت

مارچ، اپریل ——— ۱۹۷۳ء

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

سالانہ ——— دس روپے

شرائط ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے،

پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا:

کمیشن ۳۳½ فی صد - محصولڈاک بذمہ میثاق

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

(فون: ۶۸۲۴۵)

فہرست مضامین

★ تذکرہ وتبصرہ ـــــــــ ڈاکٹر اسرار احمد ۳
★ تدبر قرآن ـــــــــ مولانا امین احسن اصلاحی
● تفسیر سورہ یونس (۳) ۹
★ عالم اسلام ـــــــــ احمد ثبات، جنوبی افریقہ
● جنوبی افریقہ کے مسلمان، حالات کا جائزہ اور ایک تعمیری تجویز ـــــ ۳۶
★ مقالات ـــــــــ
● جمع وتدوین قرآن ـــــ سید صدیق حسن مرحوم ۴۱
● ثقافتی ہیئت کے نشیب و فراز کا ایک ناتمام خاکہ ـــــ پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۶۱

نرخنامہ اشتہارات

کور کا صفحہ نمبر ۴ (مکمل) -/۲۰۰ ✱ کور کے صفحات ۲ و ۳ (مکمل) -/۱۷۵
ان کے لیے بلاک مہیا کئے جائیں ورنہ طباعت ٹائپ میں ہوگی:
عام صفحات مکمل صفحہ -/۱۵۰ ✱ نصف صفحہ -/۸۰

نوٹ

مسلسل چھ اشاعتوں پر ۱۲½ اور بارہ اشاعتوں پر ۲۵ فیصد رعایت

(مطبوعہ: اشرف پریس لاہور)

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے زیر اہتمام 'میثاق' کا یہ پہلا مکمل شمارہ شائع ہو رہا ہے اور وہ بھی کسی ظاہری یا معنوی تبدیلی کے بغیر۔ حالانکہ خیال یہ تھا کہ اس سال کے آغاز سے پرچے کی اشاعت نئی آب و تاب سے ہو گی ______ دراصل ہمیں بالکل اندازہ نہ تھا کہ کسی نئے ادارے کے قیام کے ابتدائی مراحل میں کیسے کیسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور کیسی کیسی غیر متوقع مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

کسی انجمن یا ادارے کے قیام کی ضرورت کا احساس راقم کو اواخر ۷۱ء ہی سے ہو گیا تھا چنانچہ اس کے بارے میں ابتدائی گفت و شنید اور باہمی مشورے اوائل ۷۲ء میں شروع ہو گئے تھے۔ غالباً مارچ یا اپریل ۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے مجوزہ خاکے کی ایک سائیکلوسٹائل شدہ نقول احباب میں تقسیم کی گئیں۔ 'میثاق' میں پہلی بار جون ۷۲ء کے شمارے میں اس تجویز کا پس منظر بھی بیان ہوا اور انجمن کی وہ قرارداد تاسیس بھی شائع کر دی گئی۔ جس پر اس وقت تک چودہ حضرات دستخط ثبت فرما چکے تھے۔ بعد ازاں جولائی ۷۲ء کے شمارے میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کا پورا مجوزہ خاکہ بھی بشمول قرارداد تاسیس، اغراض مقاصد اور قواعد و ضوابط شائع ہوا اور اسی شمارے کے 'تذکرہ و تبصرہ' کے صفحات میں قواعد و ضوابط سے متعلق بعض اشکالات کی وضاحت بھی پیش کی گئی۔

انجمن کے قواعد و ضوابط کی بعض شقوں اور ان کے سلسلے میں ہماری پیش کردہ توضیحات سے ہمارے بعض دوستوں اور بزرگوں نے شدید اختلاف کیا، چنانچہ گفت و شنید اور افہام و تفہیم اور اس سے بھی بڑھ کر ردّ و قدح کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ لیکن افسوس کہ نہ تو راقم الحروف ہی اپنے ان بزرگوں اور دوستوں کے

نقطۂ نظر سے اتفاق کر سکا اور نہ ہی وہ راقم کے موقف سے متفق ہو سکے۔ بنا بریں چند ماہ سخت ذہنی کوفت میں بسر ہوئے۔ جن کے دوران میں راقم نے کئی بار یہ بھی سوچا کہ اس تجویز کی پوری بساط ہی طے کر دی جائے لیکن پھر کچھ تو ذاتی احساس فرض مانع ہوتا رہا اور کچھ بعض دوسرے بزرگوں اور دوستوں کا پُر زور اصرار!

بہر حال نومبر ۷۲ء میں لاہور سے جن حضرات نے ابتدائی مؤسسین کی حیثیت سے شمولیت اختیار فرمائی تھی ان کے ناموں کے ساتھ 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کی باقاعدہ رجسٹریشن کرائی گئی۔ اور طے کیا گیا کہ جب تک انجمن کے وابستگان کی تعداد ایک مناسب حد کو پہنچے اور پہلا باقاعدہ اجلاس عام منعقد ہو جس میں مجلس منتظمہ کا باقاعدہ انتخاب عمل میں لایا جا سکے، یہی لاہور کے ابتدائی مؤسس حضرات مجلس منتظمہ کے فرائض ادا کرتے رہیں۔

اس مرحلے پر جن بزرگوں اور دوستوں نے انجمن کے مجوّزہ خاکے سے اختلاف کے باعث عملی تعاون سے کلّی یا جزوی طور پر دستکشی اختیار فرمائی ہے راقم کے دل میں ان کے خلوص و اخلاص کی وہی قدر ہے جو اس سے قبل تھی، بلکہ راقم الحروف حد درجہ ممنون بھی ہے کہ انہوں نے اس اختلاف رائے کے باوجود نجی سطح پر مخلصانہ اور مشفقانہ تعلق برقرار رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ؏ "دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور" والامعاملہ فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور کر دے تاکہ یہ اختلاف رائے رفع ہو جائے اور راقم کو ان دوستوں اور بزرگوں کا وہی پرانا گرم جوش تعاون پھر حاصل ہو جائے ——— وما ذالِكَ علی اللہ بعزیز!

بہر صورت، تقریباً چار ماہ کے اس عرصے میں انجمن کی تشکیل اور اس کے ابتدائی لوازم کی تکمیل کے اکثر مراحل طے پا گئے ہیں، اور اگرچہ اس دوران میں راقم کا پورا وقت ان ہی کے نذر ہو گیا اور تمام توجّہ انہی امور پر مرکوز رہی تاہم کم از کم ایک ابتدائی ہیئت تنظیمی وجود میں آ گئی۔

چنانچہ انجمن کا ایک باقاعدہ مرکز ۱۲-افغانی روڈ، سمن آباد۔ لاہور پر قائم ہو گیا اور وہیں 'مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور' کی بنیاد بھی پڑ گئی۔ ساتھ ہی مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ سے ان کی تمام تصانیف بشمول تفسیر تدبّر قرآن کے جملہ حقوقِ اشاعت یکمشت رقم کی ادائیگی پر دائماً انجمن کے لئے حاصل کر لیے گئے۔

مزید برآں 'الکلیۃ العربیہ' کے نام سے عربی زبان کی تدریس کے ایک باقاعدہ ادارے کا قیام عمل میں آ گیا جس میں عربی کی شبینہ کلاسز کا اجراء اس سال کے آغاز سے ہو گیا۔ اس کے علاوہ مجوزہ 'قرآن اکیڈمی' کے لئے مناسب جگہ پر قطعۂ زمین کی خرید کے سلسلے میں بھی دیکھ بھال کا کام شروع ہو چکا ہے۔

اور امید ہے کہ جلد ہی کسی قطعۂ زمین کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لیا جائے گا!

اس ضمن میں تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اتوار - ۲۹ راپریل کو دن کے گیارہ بجے دفتر انجمن میں انجمن کا پہلا باقاعدہ اجلاسِ عام منعقد ہونا طے پا گیا ہے جس میں انجمن کی پہلی مجلسِ منتظمہ کا باقاعدہ انتخاب عمل میں آجائے گا۔ [1]

اس طرح بحمداللہ وہ خیال جو اواخر ۱۹۶۵ء میں ذہن میں آیا تھا بہت سے مراحل طے کر کے بالآخر اوائل ۱۹۷۲ء میں انشاء اللہ العزیز ایک باضابطہ ہیئتِ تنظیمی کی صورت اختیار کرے گا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ جو اس کام میں صرف ہوا اپنی جگہ تو بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن کام کی اہمیت کے پیشِ نظر کچھ زیادہ نہیں۔ ایک عربی کہاوت کی رُو سے کسی کام کے تکمیل پا جانے کے بعد اصل سوال یہ نہیں ہوتا کہ " فی کَم فَرَغتَ ؟ " (تو نے یہ کام کتنے وقت میں کیا ؟) بلکہ یہ ہوتا ہے کہ " ماذا صَنَعتَ ؟ " (تو نے بنایا کیا ؟) تو یہ معاملہ اب اللہ ہی کے ہاتھ ہے کہ وہ راقم کی قائم کردہ اس حقیر سی ہیئتِ تنظیمی کو اپنے دینِ متین کی کسی اعلیٰ و پائدار خدمت کا ذریعہ بنا دے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر!

انجمن کی یہ مختصر سی روداد 'میثاق' کی اشاعت کی بے قاعدگی کے حوالے سے نوکِ قلم پر آ گئی۔ کہنا دراصل یہ تھا کہ 'میثاق' کی یہ بے قاعدگی انجمن کی تنظیم و تشکیل کے ابتدائی مراحل اور ان سے متعلق مسائل میں راقم کی حد درجہ مصروفیت اور سرگردانی کے باعث تھی۔ اب امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز یہ بے قاعدگی دور ہو جائے گی اور 'میثاق' پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو سکے گا!

البتہ جہاں تک اسے سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں شائع کرنے کا سوال تھا اس معاملے کو فی الحال مؤخر کر دیا گیا ہے۔

حلقہ ہائے مطالعہ قرآن لاہور کا نظم بھی اس عرصے میں قدرے معطل رہا۔ اس سلسلے میں ایک تبدیلی تو اسی سال یہ کی گئی تھی کہ لاہور کے تمام ذیلی حلقوں میں راقم الحروف کی شمولیت سے جو شدید بار راقم پر پڑ رہا تھا اس کو کم کرنے کے لئے طے کیا گیا کہ لاہور میں مستقل ہفتہ وار درس صرف دو ہی رہیں گے، ایک اتوار کی صبح کو حسبِ سابق

[1] اس اجلاس عام کی باضابطہ اطلاع انجمن کے جملہ وابستگان کو علیحدہ بھی دی جا رہی ہے۔

جامعہ خضراء سمن آباد میں، جہاں قرآن حکیم کا ابتداء سے سلسلہ وار درس ہو رہا ہے اور اب سورۂ توبہ زیر درس ہے۔ اور دوسرے ہفتہ کی شام کو عصر اور مغرب کے مابین شہر کے انتہائی مرکزی مقام یعنی رنگ محل چوک پر نئی تعمیر شدہ مسجد شہداء میں جہاں مطالعۂ قرآن حکیم کا وہ منتخب نصاب زیر درس ہے جس سے قارئینِ میثاق، خوب واقف ہیں!

بحمد اللہ یہ فیصلہ بہت ہی صائب ثابت ہوا۔ اور اگرچہ اس کا وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا کہ راقم کا بار کم ہوتا اس لئے کہ لاہور کی ذیلی آبادیوں میں متفرق پروگرام تقریباً سابقہ تعداد ہی کے لگ بھگ بن جاتے رہے تاہم شہر کے مرکزی مقام پر سلسلۂ درس کے آغاز سے تعلیم و تعلّم قرآن کی تحریک کو قلبِ شہر میں قدم جمانے کا موقع ملا۔ اور بہت سے نئے گوشوں میں دعوتِ قرآنی کے لیے راہ پیدا ہوئی ——— اور یہ بات کسی فخر کے جذبے کے تحت نہیں بلکہ خالصتہً تحدیثاً للنعمہ عرض ہے کہ اب لاہور کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے جنہیں ذرا سا بھی قلبی یا ذہنی لگاؤ دین و مذہب سے ہے ان کا شاذ ہی کوئی حلقہ ایسا ہو جس میں اس سلسلہ درسِ قرآن کا چرچا نہ ہو۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

جامعہ خضراء میں تو شرکاء کی تعداد حسب سابق ڈھائی تین صد کے مابین رہتی ہی ہے۔ مسجد شہداء میں بھی بحمد اللہ آغاز ہی سے حاضری بہت امید افزا رہی اور اب وہ بھی جامعہ خضراء سے کسی طرح کم نہیں۔

تعلیم و تعلّم قرآن کی اس دعوت کی بیرونِ لاہور توسیع میں، جیسا کہ قارئینِ میثاق' بخوبی جانتے ہیں اولین اہمیت کراچی کو حاصل تھی۔ بلکہ باقی تمام مقامات جیسے سکھر، صادق آباد، رحیم یار خاں اور ملتان کے حلقے سفر کراچی کے ضمن ہی میں قائم ہوئے تھے۔ ——— کراچی کے سلسلے میں بحمد اللہ سال ۷۲ء کے دوران میں راقم نے اپنے فیصلے کو پوری طرح نبھایا۔ چنانچہ بارہ میں سے دس مہینوں میں راقم نے کراچی کو ہر ماہ چار دن دیئے۔ ایک ماہ کا ناغہ رمضان المبارک کے باعث ہوا لیکن آخری مہینے میں پورے دس روز کی تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں آگیا۔ اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ سال کے ۳۶۵ ایام میں سے راقم نے گذشتہ سال پورے ۵۰ دن کراچی میں بسر کئے اور پوری پابندی کے ساتھ ہر قسم کے موسم میں اس طویل اور پُرصعوبت سفر کی سختیوں کو برداشت کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ محض توفیق خداوندی کے طفیل ہوا ورنہ من آنم کہ من دانم!

بہر حال اس محنت کا ثمرہ بھی بھرپور ظاہر ہوا۔ اور ایک ہی سال کے قلیل عرصہ میں کراچی میں اس دعوت قرآنی کو کم و بیش اسی قدر مقبولیت حاصل ہو گئی جتنی لاہور میں پانچ سال کی محنت سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد بدقسمتی سے انجمن کی ہیئتِ تنظیمی سے متعلق اختلافِ رائے کا اثر ظاہر ہوا اور بظاہر ایک تعطّل کی سی صورت پیدا ہوتی نظر آئی۔

راقم نے دسمبر ۷۲ء کی تربیت گاہ کے اختتام پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ جہاں تک میری حقیر صلاحیتوں

اور محدود قوتوں کا تعلق ہے وہ لاہور میں پوری طرح مصروفِ کار (FULLY ENGAGED) ہیں۔ بلکہ ابھی خود لاہور میں مجھ جیسے سینکڑوں خادمانِ کتاب الٰہی کی ضرورت ہے۔ کراچی سے بعض احباب کی خواہش پر میں نے ماہانہ آمد کا سلسلہ شروع کیا تھا اور چونکہ میں بحمد اللہ ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف میں اپنا آئندہ سال کا پروگرام طے کیا کرتا ہوں لہٰذا میں نے ایک ہی سال کا پروگرام بنایا تھا جو اللہ تعالےٰ نے کمالِ فضل و کرم سے پورا کرادیا ہے۔ آئندہ کراچی میں اس کام کا دارومدار خود احباب کراچی کی ابتدائی تحریک (INITIATIVE) پر منحصر ہے میرا معاملہ محض ثانوی تعاون کا ہوگا۔ بشرطیکہ یہاں کوئی ہیئتِ تنظیمی قائم ہو جائے۔

چنانچہ مارچ ۷۳ء میں کراچی کے ان احباب نے جو وہاں اس سلسلۂ دعوتِ قرآنی کو جاری رکھنے کے شدت سے خواہش مند ہیں۔ ایک سلسلۂ اجتماعات کے انعقاد کا اہتمام کیا جس میں راقم کے کتابچے "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کا بالاستیعاب اجتماعی مطالعہ ہوا۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر "انجمن خدّام القرآن کراچی" کے نام سے 'مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور' کی ایک ذیلی انجمن کے قیام کا فیصلہ کر لیا گیا۔ جس کے تفصیلی قواعد و ضوابط بھی طے ہو گئے۔

اب ۱۵-۱۶ اپریل ۱۹۷۳ء کو اس انجمن کا افتتاحی اجلاس جمعیتہ الفلاح ہال میں منعقد ہوگا جس میں راقم الحروف بھی شریک ہوگا۔ اس طرح کراچی میں بھی بحمد اللہ ایک ہیئتِ تنظیمی کا قیام عمل میں آگیا ہے خدا کرے کہ یہ محکم اور فعّال ثابت ہو۔ وبیدہٖ التّوفیق! —— سکھر اور ملتان بھی اس دوران میں اگرچہ راقم کا ایک ایک بار جانا ہوا۔ لیکن ان دونوں مقامات پر ابھی کسی ہیئتِ تنظیمی کی صورت پیدا نہیں ہو سکی!

ادھر پنجاب میں اس عرصہ میں بعض دوسرے مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا جہاں یوں کہنا چاہیئے کہ اس دعوتِ تعلیم و تعلّمِ قرآن کی ابتدائی تخم ریزی کی سعی کی گئی۔ مثلاً دو بار گوجرانوالہ کی ایک جامع مسجد میں خطابِ جمعہ کے دوران یہ دعوت پیش کی گئی۔ دو ہی بار ڈسکہ میں ایک مسجد میں خطاب کا موقع ہوا۔ ایک بار گجرات کے ایک بڑے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ میں اور ایک بار گورنمنٹ ڈگری کالج جہلم میں طلباء سے تعلیم و تعلّمِ قرآن کی اہمیت کے موضوع پر خطاب کیا گیا خود لاہور میں اس دعوتِ قرآنی کی توسیع جن گوشوں میں ہوئی ہے ان کی تفصیل بہت طوالت طلب بھی ہے اور تحصیل حاصل بھی! اس لیے کہ اس کا ماحصل وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا یعنی یہ کہ لاہور میں بحمد اللہ اب اس دعوتِ قرآنی کا چرچا اس قدر عام ہو چکا ہے کہ راقم کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو اور اس رجوعِ خلق سے نفس بہک نہ جائے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِ نَفْسِیْ وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِیْ!

ویسے بھی یہ معاملہ راقم کے لیے اس دوران میں شدید تشویش کا باعث بنا رہا کہ اس کام میں 'توسیع' جس رفتار سے ہو رہی ہے اتنا 'استحکام' نہیں ہو رہا۔ چنانچہ اب انشاء اللہ العزیز توسیع کے بجائے زیادہ توجہ استحکام پر صرف ہو گی اور اولین کوشش یہ ہو گی کہ دعوتِ قرآنی کا یہ کام زیادہ سے زیادہ محکم بنیادوں پر ترقی کرے۔

'مکتبۂ انجمن' کے پیشِ نظر بھی طباعت و اشاعت کا ایک وسیع پروگرام ہے۔ چنانچہ قارئین 'میثاق' کے لیے یہ خبر انتہائی مسرت کا باعث ہو گی کہ مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی تفسیر تدبر قرآن کی جلد سوم اور ان کے معرکۃ الآرا رسائل حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ تقویٰ اور حقیقتِ صلوٰۃ کا مجموعہ 'حقیقتِ دین' کے نام سے طباعت کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اسی طرح امام حمید الدین فراہیؒ کی تفاسیر کا مجموعہ بھی طباعت کے لیے بالکل تیار ہے۔ اور چونکہ اس وقت مارکیٹ میں کاغذ کی شدید قلت ہے لہذا ایک کاغذ ساز ادارے سے خصوصی درخواست پر کاغذ کی فراہمی کا وعدہ حاصل کر لیا گیا ہے اب قارئین سے درخواست ہے وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جملہ موانع کو دور فرمائے تاکہ یہ تینوں کتابیں جلد از جلد اپنے قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں۔

انجمن کے دعوتی کتابچوں میں سے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا دوسرا ایڈیشن انجمن کے زیرِ اہتمام دس ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا تھا جس کا نصف سے زائد فروخت ہو چکا ہے۔ "اسلام کی نشأۃ ثانیہ" نامی کتابچہ بھی دو ہزار کی تعداد میں طبع ہوا تھا جس میں سے اب چند سو سے زائد نہیں ہے۔ مزید بہت سے دعوتی کتابچوں کی اشاعت پیشِ نظر ہے اور انشاء اللہ جلد ہی اس سلسلے کی کوتاہی کی تلافی کرنے کی کوشش بھی کی جائیگی!

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کے بارے میں بھی بعض اطلاعات قارئین 'میثاق' کو پہنچانی ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ بحمد اللہ مولانا کی عام صحت اب بہت اچھی ہے اور وہ تدبر قرآن کی مزید تحریر کا کام تیزی سے کر رہے ہیں چنانچہ ان دنوں وہ سورۂ حج کی تفسیر تحریر فرما رہے ہیں ـــــ دوسرے یہ کہ مولانا نے لاہور کی سکونت ترک فرما کر گاؤں میں اقامت اختیار فرما لی ہے اور اب ان کا خط و کتابت کا پتہ یہ ہے :-

رحمٰن آباد، چک ۳/۲، ڈاکخانہ مانگٹ، براستہ خانقاہ ڈوگراں (تحصیل و ضلع شیخوپورہ)

تیسرے یہ کہ سوموار ۹ اپریل کی صبح کو مولانا کی دوسری آنکھ کا سفید موتیے کا اپریشن ہوا ہے اور بحمد اللہ یہ مرحلہ بخوبی انجام پا گیا ہے ـــــ قارئین 'میثاق' سے استدعا ہے کہ وہ مولانا کی صحت کے لیے دعا کرتے رہیں تاکہ مولانا تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل فرما سکیں۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ یونس

(۳)

۶ - آگے کا مضمون۔ آیات ۲۸-۳۶

اوپر وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ میں یہ اشارہ جو فرمایا تھا کہ ابدی مایوسی اور ذلت سے چھڑانے میں ان کے مزعومہ شرکاء اور شفعاء کچھ کام آنے والے نہیں، آگے اس اشارے کی تفصیل فرما دی کہ آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت فرما دی کہ مجرد ظن کی بنیاد پر آرزوؤں کے جو ہوائی قلعے تعمیر کیے جاتے ہیں وہ اسی طرح مسمار ہوتے ہیں۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ
وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا
تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
لَغَافِلِينَ ۝ ۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ
الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ۳۰ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ
اللّٰهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ ۳۱ فَذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ
الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝ ۳۲ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ٣٣ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ
مَنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۝ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ۝ ٣٤ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۖ فَمَا
لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ ٣٥ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ
لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ ٣٦

اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ پر ٹھہرو۔ پھر ہم ان کے درمیان تفریق کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے، تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے۔ ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر رہے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہوگا جو اس نے کیا ہوگا اور لوگ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوں گے اور افترا کر کے انھوں نے جو معبود بنائے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ ۲۸-۳۰

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سمع و بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے تو جواب دیں گے اللہ۔ تو ان سے کہو کہ کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں؟ پس وہی اللہ تمہارا رب حقیقی ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو کہاں تمہاری عقل الٹ جاتی ہے؟ اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنھوں نے نافرمانی کی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ۳۱-۳۳

پوچھو تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہو پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا؟ کہہ دو اللہ ہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ فرمائے گا تو تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟ پوچھو، کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ کہہ دو اللہ ہی ہے جو حق کی توفیق بخشتا ہے تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کیے جانے کا حق دار ہے یا وہ جو بغیر رہنمائی کے خود راہ نہیں پاتے؟

تو تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو! اور ان میں سے اکثر محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور گمان حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ۳۶-۳۲

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

ویوم نحشرھم جمیعاً ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم وشرکاؤکم فزیلنا بینھم وقال شرکاؤھم ما کنتم ایانا تعبدون ٭ فکفی باللہ شھیدا بیننا وبینکم ان کنا عن عبادتکم لغافلین ۔ ۲۹-۲۸

'ویوم نحشرھم جمیعاً' میں 'جمیعاً' کی تاکید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ مشرکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے ان شریکوں اور شفیعوں کو بھی جمع کرے گا جن کو انھوں نے خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کی اور ان کو اپنا سفارشی سمجھا۔

'ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم وشرکاؤکم فزیلنا بینھم'۔ 'مکانکم' سے پہلے 'امکثوا' یا 'قفوا' یا ان کے ہم معنی کوئی فعل محذوف ہے۔ یعنی بس اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ۔ عربی میں جب کسی فوری اور واجب التعمیل حکم کا موقع ہو تو ظرف یا مفعول سے پہلے اسی طرح فعل کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ مخاطب کی ساری توجہ اصل بات پر مرتکز ہو جائے۔ 'فزیلنا' یہ اس روکنے کے مقصد کی تفصیل ہے۔ 'تزییل' کے معنی تفریق اور جدائی ڈال دینے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اور ان کے معبودوں میں جدائی ڈال دی جائے گی اور معبود اپنے عابدوں سے اس دن اظہار براءت بھی کریں گے اور خدا کی قسم کھا کر یہ بھی ان کو بتائیں گے کہ ہمیں اصلاً خبر نہیں کہ دنیا میں تم ہماری عبادت کرتے رہے۔ بقرہ آیت ۱۶۶-۱۶۷ اور انعام آیت ۹۴ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

'وقال شرکاؤھم ... الآیۃ' یہ مزعومہ شریکوں کا اعلان براءت ہے جو ساری خدائی کے آگے ان کے پرستاروں کو رسوا کرے گا۔ انھیں تو یہ امید ہو گی کہ ساری زندگی جن کی عبادت کی ہے اور جن کو نذریں اور قربانیاں پیش کی ہیں آج وہ ان کے کام آئیں گے اور خدا نے ان پر ہاتھ ڈالا تو یہ ان کو چھڑائیں گے لیکن قبل اس کے کہ یہ زبان کھولیں وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کہ کچھ احمق لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔ 'فکفی باللہ شھیدا' قسم کے معنی

میں ہے اور 'ان کنا' میں ان مخففہ ہے جو ان کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کے بعد 'لغافلین' پر جو لام ہے وہ اس کا قرینہ ہے۔

هنالك تبلوا كل نفس ما اسلفت وردوا الى الله مولٰهم الحق وضل عنهم ما كانوا يفترون۔ ۳۰

هر شخص کی پیشی خدا کے آگے

'بلا یبلو' کے معنی تجربہ کرنے، جانچنے، آزمانے اور چکھنے کے ہیں۔ یعنی مشرکین تو اس امید میں ہیں کہ اگر قیامت ہوئی تو، خواہ ان کے اعمال کچھ ہی ہوں، ان کے دیوی دیوتا ان کو چھڑا ہی لیں گے لیکن وہاں سابقہ ہر شخص کو اپنے ان اعمال سے پیش آئے گا جو اس نے کیے ہوں گے اور وہ انھیں کو بھگتے گا۔ 'وردوا الى الله مولٰهم الحق وضل عنهم ما كانوا يفترون' یعنی یہ تو توقع لیے بیٹھے ہیں کہ قیامت ہوئی تو ان کے دیوی دیوتا وہاں ان کا خیر مقدم کریں گے لیکن وہاں ہوگا یہ کہ ان کے یہ سارے دیوی دیوتا، جو انھوں نے خدا پر افترا کر کے گھڑے ہیں، سب غائب ہو جائیں گے اور سب کی روبکاری اللہ واحد کے حضور میں ہوگی جو ان کا اور سب کا مولائے حقیقی ہے۔ 'مولیٰ' کا صحیح مفہوم مرجع ہے اور 'مولائے حقیقی' کا لفظ یہاں ان کے ان فرضی معبودوں کے مقابل میں استعمال ہوا ہے جو اللہ پر افترا کر کے گھڑے گئے تھے یعنی ان کے متعلق بالکل جھوٹ موٹ دعویٰ کیا گیا کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے اور یہ ان کے سفارشی ہوں گے۔

قل من يرزقكم من السماء والارض امن يملك السمع والابصار ومن يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ومن يدبر الامر فسيقولون الله فقل افلا تتقون۰ فذٰلكم الله ربكم الحق فماذا بعد الحق الا الضلٰل فانى تصرفون۔ ۳۱-۳۲

مشرکین کی اعتراف و انکار

اس آیت کے تمام الفاظ اور فقروں کی تشریح دوسرے مقامات میں ہو چکی ہے۔ اس کے مختلف ٹکڑوں میں جو ترتیب و تدریج ہے وہ بھی واضح ہے۔ اہل عرب کے متعلق یہ بات بھی ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ کائنات کا خالق و مالک اور مدبر اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ وہ جن دیویوں دیوتاؤں کو پوجتے تھے ان کے متعلق ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یہ آسمان و زمین کے خالق ہیں یا ابر و ہوا اور سورج اور چاند کے موجد ہیں یا زندگی اور موت پر متصرف ہیں یا نظام کائنات کا سررشتہ ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ صرف یہ مانتے تھے کہ یہ خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں، خدا ان کی سنتا ہے، یہ جو کام خدا سے کرانا چاہیں کرا سکتے ہیں، ان کو اگر راضی رکھا جائے تو یہ خدا سے سفارش کر کے دنیا کی نعمتیں بھی دلواتے ہیں اور اگر بالفرض مرنے کے بعد اٹھنا ہی ہوا اور

حساب کتاب کی نوبت آئی تو اس وقت بھی یہ دستگیری کریں گے اور اپنی بندگی کرنے والوں کو نہ صرف بخشوائیں گے بلکہ اونچے اونچے درجے دلوائیں گے ۔۔۔ قرآن نے یہاں خدا سے متعلق ان کے انہی اصولی مسلمات کو بنیاد قرار دے کر ان کو متنبہ کیا ہے کہ جب تم ان ساری قوتوں کو مانتے ہو تو نہ تمہارے لیے آخرت کے انکار کی گنجائش ہے اور نہ خدا کے شریک ٹھہرانے کا کوئی جواز ہے ۔ جب خدا ہی مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو برآمد کرتا ہے اور تمام خلق و تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے تو وہ کسی کا محتاج کب ہے کہ اپنی خدائی میں کسی کو شریک بنائے اور اس کے لیے اس امر میں دشواری کیا ہے کہ وہ سب کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھا کھڑا کرے؟ مطلب یہ کہ تمہاری یہ باتیں تمہارے اپنے مسلمات کے خلاف ہیں سو اس طرح تم اپنے ہی منہ سے اپنے کو جھٹلاتے ہو۔ 'افلا تتقون' یعنی جب تم یہ ساری باتیں مانتے ہو تو اس خدا کے قہر و جلال سے ڈرتے نہیں کہ اس کی طرف بے جوڑ باتیں منسوب کر کے اس کی تمام اعلیٰ صفات کی نفی کر دیتے ہو۔

'فذلکم اللہ ربکم الحق' ۔ 'ذٰلکم' کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا صفات کی طرف ہے جن کا اہل عرب کو اعتراف بھی تھا اور جو صحیح بھی تھیں ۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہی اللہ جس کے لیے یہ صفتیں مانتے ہو وہی تمہارا رب حقیقی بھی ہے، پھر اس کے علاوہ تم نے دوسرے رب کس دلیل سے بنا لیے؟ 'فماذا بعد الحق الا الضلال' یعنی تمہارے مذکورہ بالا اعترافات کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ جس اللہ کے لیے یہ صفتیں مانتے ہو اسی کو تنہا اپنا رب بھی تسلیم کرو لیکن تم نے کیا یہ ہے کہ ان سب باتوں کو ماننے کے باوجود رب اور بھی بنا لیے ہیں تو حق کے متعین ہو چکنے کے بعد اس کے خلاف کوئی بات ماننا صریح ضلالت ہوئی تو تم صحیح قدم اٹھا کر پھر غلط پگڈنڈیوں پر کس طرح مڑ جاتے ہو۔ 'تصرفون' مجہول کا صیغہ ہے جو اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جہاں تک عقل اور منطق کا تعلق ہے وہ تو تمہارا ساتھ نہیں دے رہی ہے اب تم خود سوچو کہ تم نے اپنی نکیل کس کے ہاتھ میں دے رکھی ہے جو تم سے ہرزہ گیری کرا رہا ہے۔

اگرچہ آیات کی یہ تاویل واضح ہے لیکن چونکہ اہل عرب کے عقائد اور ان کے اصنام سے متعلق عام طور پر لوگوں کی معلومات بہت سرسری ہیں اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگوں کو ایک بات کھٹکے ۔ ہم یہاں بالاختصار اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

اوپر اہل عرب کے جو اعترافات نقل ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق و رازق، سمع و بصر کا مالک، زندگی اور موت کا منبع مانتے تھے بلکہ کائنات کا مدبر و منتظم

بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک اہل عرب کے عقائد سے متعلق یہی اصل حقیقت ہے۔ اہل عرب اپنے معبودوں کو کائنات کے نظم و انصرام کا اصل سرچشمہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک بادشاہ اپنے مقربین کو کچھ اختیارات و فرائض سونپ دیتا ہے جو ہوتے تو ہیں تفویض کردہ لیکن غایت تقرب و اعتماد کے سبب سے وہ عملاً مقربین ہی کے حقوق و اختیارات بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کے کچھ اختیارات خاص طور پر رزق اور اولاد وغیرہ کے متعلق، ان کے مزعومہ شرکاء کو بھی حاصل ہیں قرآن نے جگہ جگہ ان کے اس تصور کی غلطیوں پر تنقید کی ہے جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتابوں، حقیقت شرک اور حقیقت توحید میں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے مشرکین اور اہل عرب کے مشرکین میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے محض اپنے شرک کو توحید ثابت کرنے کے لیے اہل عرب کے شرک کو ہوّا بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ - ۳۳

'کذٰلک' کا اشارہ مشرکین کی اس متضاد و متناقض روش کی طرف ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور کلمہ 'رب' سے مراد وہ سنت الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے باب میں مقرر فرمائی ہے اور جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان و ہدایت کی راہ انھیں لوگوں پر کھولتا ہے جو اپنے عقل و دل کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو لوگ عقل و فطرت کو ٹھکرا کر اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں کے اوپر ان کی اختیار کردہ ضلالت ہی کو مسلط کر دیتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں پر بھی ان کی پسندیدہ ضلالت مسلط ہو چکی ہے اور اب یہ ایمان کی طرف آنے والے نہیں ہیں۔ دوسرے مقام میں 'وما یضل بہ الا الفاسقین' کے الفاظ میں بھی یہی سنت الٰہی بیان ہوئی ہے ——— یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بطور التفات کے ہے۔ آپ کو تسلی دی گئی کہ ان لوگوں کی روش سے پریشان نہ ہو، یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسے لوگوں سے متعلق اتمام حجت کے بعد تمھاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ - ۳۴

یہ مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اگر قیامت ہوئی تو ان کے شرکاء و شفعاء ان کو اللہ کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ ہم مشرکین عرب سے متعلق دوسرے مقامات میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ آخرت کے معاملے میں ان کا موقف صریح اور حتمی انکار کا نہیں تھا بلکہ تذبذب اور تردد کا تھا۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ

ایک سنت الٰہی

مشرکین کے خیال کی تردید

اٹھائے جانے کے معاملے کو بہت مستبعد سمجھتے تھے اس وجہ سے ان کا گمان یہ تھا کہ اول تو قیامت اور حشر و نشر ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو ہمارا لوٹنا تو ہمارے شرکا اور شفعا کی طرف ہوگا، وہ ہمارے مددگار اور ہمارے سفارشی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی واہمہ کی بنا پر ان سے سوال کرایا ہے کہ کیا تمھارے مزعومہ شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی نسبت تمھارا دعویٰ ہو کہ اس نے خلق کا آغاز کیا ہے اور وہ اس کا اعادہ بھی کرے گا؟ ایسی ذات تو صرف اللہ کی ہے جس نے خلق کا آغاز کیا ہے اور وہ اس کا اعادہ بھی فرمائے گا تو جب خلق کا اعادہ وہ فرمائے گا تو تمھارا لوٹنا اللہ کی طرف ہوگا یا تمھارے ان فرضی معبودوں کی طرف جن کی نسبت تم خود بھی مانتے ہو کہ ان کا کوئی حصہ نہ ابدائے خلق میں ہے اور نہ اس کے اعادے میں۔ 'فانّٰی تؤفکون' یعنی تم اپنے مسلمہ کے بموجب کہ جب تم خلق کا ابدا اور اعادہ صرف خدا ہی کی شان سمجھتے ہو تو لازم تھا کہ یہ بھی مانتے کہ جو اٹھائے گا وہی جزا اور سزا بھی دے گا لیکن تم ایک بات صحیح مان کر دوسری بات اس سے بالکل متناقض مان لیتے ہو۔ آخر تمھاری عقل کس طرح اوندھی ہو جاتی ہے۔

قل هل من شركائكم من يهدى الى الحق ط قل الله يهدى للحق ط افمن
يهدى الى الحق احق ان يتبع امن لا يهدى الا ان يهدىٰ فما لكم كيف تحكمون - ۳۵

یعنی آخرت کے معاملے میں تو تمھارے ان مزعومہ شرکا کا وجود یوں بیکار ثابت ہوا کہ نہ ان کا کوئی دخل خلق کے ابدا میں ہے نہ اعادے میں۔ اب سوچو کہ اس دنیا میں تمھیں ان سے کیا فیض پہنچتا ہے؟ مخلوق کی ایک بہت بڑی ضرورت خالق سے یہ وابستہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں رہنمائی فرماتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا باطل، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تمھارے ان معبودوں سے تمھیں اس طرح کی کوئی رہنمائی حاصل ہوتی ہے؟ کیا عقل، جو تمھارے اندر رہنمائی کا چراغ ہے، یہ ان کی بخشی ہوئی تمھیں ملی ہے؟ کیا یہ تمھاری ہدایت کے لیے کوئی وحی بھیجتے ہیں؟ کیا انھوں نے تمھاری تربیت و تزکیہ کے لیے کوئی کتاب اتاری؟ کوئی رسول بھیجا؟ کوئی شریعت نازل کی؟ کوئی قانون اتارا؟ اگر ان کاموں میں کوئی کام بھی انھوں نے نہ کیا، نہ کرتے ہیں، نہ کریں گے تو آخر کس غرض کے لیے ان کے پیچھے لگے ہو؟ پیروی کا سزاوار وہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کی توفیق بخشتا ہے یا وہ جو خود رہنمائی اور دستگیری کے محتاج ہیں؟ تمھاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسے الٹے فیصلے کرتے ہو!

۱

'ہدایت' کا صلہ آیت میں 'الیٰ' کے ساتھ بھی آیا ہے اور 'ل' کے ساتھ بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں

میں تھوڑا سا فرق ہے جب 'الیٰ' آتا ہے تو اس سے مقصود صرف کسی چیز کی طرف رہنمائی کر دینا ہوتا ہے لیکن 'لِ' آتا ہے تو اس کے اندر رہنمائی کے ساتھ توفیقِ ہدایت کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے 'یہدّی' دراصل 'یہتدی' ہے جو بقاعدۂ ادغام یہدّی ہو گیا ہے۔

وما یتبع اکثرھم الا ظنا ط ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ط ان اللہ علیم بما یفعلون ۳۶

ظنِ محض کی پیروی

لفظ 'ظن' 'علم الیقین' اور 'حق' تینوں کے ضد کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ علم ثابت و صحیح اور حق واضح و معروف کے بجائے محض اپنے گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محض اٹکل کے تیر تکے حقیقت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ حقیقت جب سامنے آئے گی تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے اپنی عمارت بالکل ریت پر بنائی 'ان اللہ علیم بما یفعلون' میں ان کے لیے دھمکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ حقیقت سے آنکھیں میچ کر یہ جو کچھ کر رہے ہیں کریں۔ وہ وقت آ رہا ہے جب اللہ تعالیٰ سب کچھ ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ ملحوظ رہے کہ قرآن نے یہ حال ان کی اکثریت کا بیان کیا ہے، سب کا حال یہی نہیں تھا بلکہ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے والے بھی تھے جن کا ذکر آیات ۴۲-۴۳ میں آ رہا ہے۔

۸- آگے کا مضمون، آیات ۳۷-۷۰

آگے کا مضمون

یاد ہو گا، بات کفار کے اس مطالبہ سے چلی تھی کہ یا تو اس قرآن کی جگہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ایسی ترمیم کر دو کہ ہمارے لیے یہ قابلِ قبول ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے کے بجائے قرآن کی ان باتوں کو مزید واضح اور مدلل کر دیا جن سے وہ چڑتے تھے۔ اب آگے اسی مضمون کو ایک نئے پہلو سے لیا اور قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا بھی ثابت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی بھی دی اور قرآن کے دعاوی کو مزید مبرہن کر دیا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۳۷-۷۰

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۵ ۳۷
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا
بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝٣٩ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝٤٠ ع ٤
وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ
مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٤١ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ
اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤٢ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٤٣
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٤
وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ
بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝٤٥
وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝٤٦ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ
رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٤٧ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤٨ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا
وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٤٩ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ
عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٥٠ اَثُمَّ
اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝٥١
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا
بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝٥٢ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ
لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٥٣ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ ع ٥ ۱۰
لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٥٤ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٥٥
هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٥٦ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ
عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
ع ۲ / ۱۱ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا
تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا
يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ
مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
ع ۱۲ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰

ترجمہ

اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ سے پرے پرے ہی گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تصدیق ہے ان پیشین گوئیوں کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور کتاب کی تفصیل ہے۔ اس کے خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں

ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو اس نے گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو تو تم لاؤ اس کے مانند کوئی سورہ اور بلا لو اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو، اگر تم سچے ہو۔ بلکہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا رہے ہیں جو ان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے تو دیکھو ظالموں کا انجام کیا ہوا! ۳۸۔ ۳۹

اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور تیرا رب مفسدوں سے خوب واقف ہے۔ اور اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم بری ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بری ہوں تمہارے عمل کی ذمہ داریوں سے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو تمہاری بات پر کان دھرتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ وہ کچھ سمجھتے بوجھتے نہ ہوں! اور ان میں ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف نظر کرتے ہیں تو اب کیا تم اندھوں کو راہ دکھاؤ گے اگرچہ وہ دیکھ نہ رہے ہوں؟ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ۴۰۔ ۴۴

اور جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا اس دن وہ محسوس کریں گے کہ گویا بس وہ دن کی ایک گھڑی رہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ نامراد ہوئے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہدایت حاصل کرنے والے نہ بنے۔ یا ہم تم کو اس کا کوئی حصہ دکھا دیں گے جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمہیں وفات دیں گے پس ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی، پھر اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو وہ کر رہے ہیں اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آ جاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے معاملے میں بھی کسی نقصان اور نفع پر کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے نہ آگے۔ ان سے کہو کہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات میں آ دھمکے یا دن میں تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں! پھر کیا جب آ ہی دھمکے گا تب اس کو مانو گے! اب

ملنے، اسی کی تو تم جلدی مچائے ہوئے تھے!! پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو، یہ تمھاری اپنی ہی کمائی کا تمھیں بدلہ مل رہا ہے۔ ۴۸-۵۲

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات واقعی ہے؟ کہہ دو کہ ہاں میرے رب کی قسم یہ شدنی ہے۔ اور تم قابو سے باہر نہیں نکل سکو گے۔ اور ہر جان جس نے ظلم کا ارتکاب کیا، اگر اس کو مل جائے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے تو وہ اس کو فدیہ میں دے دینا چاہے گی اور وہ پشیمان ہوں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔ سن رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ سن رکھو کہ اللہ کا وعدہ شدنی ہے، لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۵۳-۵۶

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نصیحت، سینوں کے امراض کی شفا، اور اہل ایمان کے لیے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔ کہہ دو کہ یہ اللہ کے فضل و رحمت کا کرشمہ ہے تو چاہیے کہ اس پر شادماں ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔ ۵۷-۵۸

ان سے کہو، بتاؤ اللہ نے تمھارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ پوچھو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو؟ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں ان کا قیامت کے دن کیا گمان ہے؟ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ ۵۹-۶۰

اور تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور کتاب میں سے جو حصہ بھی سنا رہے ہوتے ہو اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو تو ہم جس وقت تم اس میں مشغول ہوتے ہو، تمھارے پاس موجود ہوتے ہیں اور تیرے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ سن لو کہ اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور تم کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے۔ عزت تمام اللہ ہی کے لیے ہے وہ سمیع و علیم ہے۔ ۶۱-۶۵

سن رکھو کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے ہیں اور جو

لوگ اللہ کے ماسوا کو پکارتے ہیں یہ شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے بلکہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں۔ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پرسکون بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں معاش کے لیے جدوجہد کرو۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو بات کو سنتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے؟ کہہ دو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کے لیے بس دنیا میں چند روزہ فائدہ اٹھا لینا ہے، پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی، پھر ہم ان کے کفر کی پاداش میں ان کو سخت عذاب چکھائیں گے۔ ۶۶ - ۷۰

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العلمین ○ ام یقولون افترٰہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین ○ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبۃ الظلمین۔ ۳۷-۳۹

'وما کان ھذا القرآن ..... الایۃ' آیت ۱۵ میں قرآن کی صداقت کی دلیل حامل قرآن کے کردار کے پہلو سے پیش کی گئی تھی، اس کے بعد کلام کا رخ قرآن کے ان دعاوی کے اثبات کی طرف مڑ گیا تھا جو خاص طور پر مخالفین کی وحشت کا باعث تھے اور جن کی ترمیم یا تنسیخ کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ اب پھر وہی بات ایک نئے پہلو سے سامنے آگئی۔ فرمایا کہ یہ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا سے پرے ہی پرے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہو بلکہ یہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق ہے جو اس کے باب میں پہلے سے آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کا حوالہ ہم بقرہ اور آل عمران کی تفسیر میں نقل کر چکے ہیں۔

قرآن سابق پیشین گوئیوں کی تصدیق ہے

'تفصیل الکتب' میں 'کتاب' سے مراد ہمارے نزدیک تورات ہے۔ قرآن نے تورات کی ان

پیشین گوئیوں کی بھی جو مجمل و مبہم صورت میں اپنے محل و مصداق کی منتظر تھیں اور اس دین کی بھی توضیح و تکمیل کی جس کی توضیح و تکمیل کا کام آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ یہ بات بھی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ 'الکتاب' کا لفظ تمام صحائف تورات کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے یہاں تک کہ انجیل بھی اس میں شامل ہے۔ بعض مرتبہ اجزا کے اعتبار سے لفظ 'کُتُب' استعمال ہوا ہے بعض مرتبہ مجموعہ کو پیش نظر رکھ کر 'الکتاب'۔ نزولِ قرآن سے پہلے 'الکتاب' کی حیثیت تورات ہی کو حاصل رہی ہے۔ بقیہ تمام صحائف کی حیثیت اس کے اجزا اور ابواب و فصول کی تھی۔ 'لا ریب فیہ من رب العلمین' کا مفہوم، جیسا کہ ہم بقرہ کی دوسری ہی آیت کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں، یہ ہے کہ اس کے خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کی عام تحدی

'ام یقولون افترٰہ ...... الایۃ' یعنی اگر منکرین یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود تصنیف کر کے جھوٹ موٹ اس کو خدا کی طرف نسبت دے دی ہے تو ان سے کہو کہ پھر تو تمہارے لیے اس کا توڑ بہت آسان ہے، تم اس کی مانند ایک ہی سورہ بنا کر پیش کر دو۔ اور اس کام میں ان سب کا تعاون بھی حاصل کر لو جن کا تعاون تم اپنے شاعروں، ادیبوں، ساحروں، کاہنوں، جنوں، شیطانوں اور اپنے ان معبودوں میں سے حاصل کر سکتے ہو جن کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو۔ اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو تو ان سب کو اس کام کے لیے بلاؤ۔ آخر اس سے زیادہ نازک موقع ان کی مدد حاصل کرنے اور ان کی مدد کے لیے اٹھنے کا اب کب آئے گا جب کہ تمہارے دین آبائی کے ساتھ ساتھ ان کی خدائی بھی معرض خطر میں ہے۔

تکذیبِ قرآن کی اصل وجہ

'بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ...... الایۃ' یہ اصل وجہ تکذیب کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کی مخالفت میں یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب تو اوپر کی باتیں ہیں اصل وجہ تکذیب یہ ہے کہ قرآن ان کو رسول کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی اس دنیا میں اور پھر اس کے بعد آخرت میں خبر دے رہا ہے وہ ان کے علم کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے اس لیے کہ اس کی حقیقت ان کے سامنے ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ اس کو ماننے سے پہلے سر کی آنکھوں سے اس کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس عذاب کا کوئی نمونہ یا اصل عذاب ہی آ جائے تب وہ مان جائیں گے کہ قرآن سچی خبر دے رہا ہے اور یہ خدا کی کتاب ہے۔ فرمایا کہ یہ بعینہٖ وہی روش ہے جو ان سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں نے اختیار کی تو جو انجام ان کا ہوا وہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔ لفظ 'تاویل' پر آل عمران کی تفسیر میں ہم بحث کر چکے ہیں۔ یہاں یہ کسی خبر کے واقعاتی مصداق کے مفہوم میں ہے۔

ومنھم من یومن بہ ومنھم من لا یومن بہ ط وربک اعلم بالمفسدین ہ وان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون ہ ومنھم من یستمعون الیک افانت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ہ ومنھم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون ہ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون ۴۰-۴۴

مکذبین کو مہلت دیئے جانے کی وجہ

'ومنھم من یومن بہ ...... الایۃ' یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور مکذبین قرآن کے لیے دھمکی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے اندر سے ایسے لوگ نکل رہے ہیں جو قرآن پر ایمان لا رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر کچھ ذی صلاحیت بھی ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اس حد تک ڈھیل دیا جائے کہ ان کے اندر جتنا مکھن ہے وہ نکل آئے، صرف چھاچھ رہ جائے۔ اسی حکمت کے تحت ان کے مطالبۂ عذاب کے باوجود ان کو مہلت دی جا رہی ہے کہ جو مفسدین ہیں وہ چھٹ کر بالکل سامنے آ جائیں۔ تیرا رب ان سے خوب واقف ہے، ان کو وہ ان کی شرارتوں کا مزا چکھائے گا۔

مکذبین سے اعلان براءت

'وان کذبوک ..... الایۃ' یہ ان مکذبین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان براءت کی ہدایت ہے کہ جو کسی طرح کوئی بات سننے سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں، تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو، تم میرے عمل کی ذمہ داری سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال کی ذمہ داریوں سے بری ہوں۔ رسول کی طرف سے یہ اعلان براءت، ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اس کے جھٹلانے والوں کے لیے عذاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ رسول جب تک اپنی قوم کے اندر رہتا ہے وہ اس کے لیے امان اور سپر ہوتا ہے۔ جب وہ ان سے اعلان براءت کر دیتا ہے تو یہ امان جو اس کی بدولت قوم کو حاصل ہوتی ہے اٹھ جاتی ہے اور جب امان اٹھ گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد عذاب ہر وقت متوقع ہے۔ اسی وجہ سے رسول کی زبان سے براءت کا کلمہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کی قوم کی زندگی میں یہی وقت سب سے زیادہ نازک وقت ہوتا ہے۔

آنحضرت صلعم کے لیے تسکین و تسلی

'ومنھم من یستمعون ..... الایۃ' یہ بھی آیت ۴۰ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی ہے کہ تمہارے اطمینان کے لیے یہ چیز کافی ہونی چاہیے کہ ان کے اندر جو سننے سمجھنے اور فہم و بصیرت رکھنے والے لوگ ہیں وہ تمہاری بات پر کان دھرتے اور تمہاری طرف متوجہ ہونے لگے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو اپنی شامتِ اعمال سے گونگے، بہرے اور اندھے بن چکے ہیں، وہ تو سننے سمجھنے سے رہے۔ اگر تمہارے دل کے اندر یہ ارمان ہے کہ یہ بھی تمہاری باتیں سنیں اور مانیں تو یہ ہونے سے رہا۔ ایمان و ہدایت کے باب میں اللہ کی جو سنت ہے وہ تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت انھیں کو بخشتا ہے جو اس کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو زندہ رکھتے اور ان سے کام لیتے ہیں۔

'ومنھم من ینظر الیک ...... الایہ' یہ بعینہ اوپر والی آیت کا مضمون ذرا مختلف اسلوب سے بیان ہوا ہے۔

ایک استدراک

'ان اللہ لا یظلم الناس .... الایہ' یہ اوپر والی بات پر ایک قسم کا استدراک ہے۔ بادی النظر میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ آخر بہت سے لوگوں کا حال یہ کیوں ہوجاتا ہے کہ وہ ایسے اندھے بہرے ہوجاتے ہیں کہ بالآخر وہ خدا کے ابدی عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم کیا ہے۔ اللہ ذرا بھی اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں سے مسلح کیا ہے۔ اگر وہ ان سے کام لے تو نبیوں اور رسولوں کی بات اس کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوگی لیکن لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں اندھے بہرے بن جاتے ہیں جس کے سبب سے ان کو ہر صدائے حق اجنبی معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ اس کو قبول کرنے کی بجائے اس سے بدکنے لگتے ہیں۔

ویوم یحشرھم کان لم یلبثوا الا ساعۃ من النھار یتعارفون بینھم قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ وما کانوا مھتدین ہ واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم ثم اللہ شھید علی ما یفعلون - ۴۵ - ۴۶

عذاب کی جلد بازی کا جواب

یہ آخرت اور عذاب کے جھٹلانے والوں کی جلد بازی کا جواب ہے۔ فرمایا کہ آج تو ان کو آخرت بہت بعید معلوم ہوتی ہے لیکن جس دن وہ اکٹھے کیے جائیں گے اس دن ان کا احساس اس دنیا کی زندگی کے متعلق یہ ہوگا کہ گویا وہ اس میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے یتعارفون بینھم وہ ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہوں گے گویا ان کی ملاقات صبح و شام کا قصہ ہے ہر بات ذہن میں اس طرح تازہ ہوگی گویا اس پر کوئی زمانہ گزرا ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ اصل شے تو وہ احساس ہے جو اس دنیا کی زندگی سے متعلق سوءِ آخرت میں طاری ہوگا تو انسان کی محرومی و نامرادی ہی ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی کو بہت طویل سمجھ کر آخرت سے بے پروا ہو بیٹھے اور جب اسے اس سے ڈرایا جائے تو یہ مطالبہ شروع کردے کہ اگر وہ آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔

"واما نرینک بعض الذی نعدھم ..... الایۃ" خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اور یہ اس کے موخر ہونے کے سبب سے اس کو خالی خولی دھمکی سمجھ رہے ہیں اور تمہیں زچ کرنے کے لیے اس کی جلدی مچائے ہوئے ہیں، اگر حکمت الٰہی مقتضی ہوئی تو تمہاری زندگی ہی میں ان کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیا جائے گا، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں وفات دے گا اور ان کی واپسی ہماری طرف ہوگی پھر اللہ ان کا سارا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دے گا۔

سنت الٰہی

یہاں اللہ تعالیٰ کی وہ سنت پیش نظر رہے جس کا حوالہ ہم دوسرے مقام میں دے چکے ہیں کہ اگر کسی رسول کی قوم نے بحیثیت مجموعی اس کی تکذیب کر کے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ تب تو اللہ تعالیٰ نے رسول اور اس کے ساتھیوں کو الگ کر کے قوم کو اپنے کسی عذاب کے ذریعے سے تباہ کر دیا ہے اور اگر قوم کے اندر معتدبہ تعداد ایمان لانے والوں کی بھی نکلی ہے تو اس قوم پر اس دنیا میں کوئی فیصلہ کن عذاب بھیجنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اس کے مکذبین کا معاملہ آخرت کے عذاب پر اٹھا رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا بڑا حصہ چونکہ ایمان لایا اسی وجہ سے اس پر اس طرح کا کوئی فیصلہ کن عذاب نہیں آیا جیسا کہ عاد و ثمود وغیرہ قوموں پر آیا بلکہ آپ کے مکذبین اہل ایمان کے ساتھ تصادم میں ختم ہو گئے۔ اور آخرت میں ان کو اپنی جواب دہی خدا کی عدالت میں کرنی ہے۔ آیت میں اسی سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔ ۴۷

رسالت سے متعلق سنت الٰہی

یہ قریش کو انذار ہے اس سنت الٰہی کی روشنی میں جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت تمام کرنے کے لیے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے، یہ رسول خدا کی عدالت بن کر آئے اور ان کے ذریعے سے اس قوم کے درمیان حق و باطل کا فیصلہ کر دیا گیا، جو لوگ رسول پر ایمان لائے ان کو نجات و فلاح حاصل ہوئی اور جو لوگ اس کی تکذیب پر اڑے رہ گئے ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہی مرحلہ قریش کے لیے بھی درپیش ہے۔ ان کے لیے بھی خدا کی میزان عدل نصب ہو چکی ہے اور اتمام حجت کے لیے خدا کا رسول آ چکا ہے۔ اگر انھوں نے تکذیب کر دی تو وہ بھی لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی ان کی پیشرو قومیں دوچار ہو چکی ہیں۔ 'وھم لا یظلمون' میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس معاملے میں خدا کی طرف سے کوئی بات عدل و انصاف کے خلاف نہیں ہوتی۔ خدا کا رسول ہر پہلو سے لوگوں پر اتمام حجت کر دیتا ہے اور لوگوں کو سوچنے سمجھنے، جانچنے اور دیکھنے کے لیے جتنا موقع ملنا چاہیے اتنا موقع بھی دیا

جاتا ہے۔ یہ سارے جتن کرنے کے بعد بھی جو لوگ اپنی ضد پر اڑے ہی رہ جاتے ہیں بالآخر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ــــ یہاں وہ فرق ملحوظ رہے جو نبی اور رسول کے درمیان ہم متعدد مقامات میں واضح کر چکے ہیں۔ یہ سنت الٰہی رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ انبیاء کے لیے اس کا ظہور ضروری نہیں ہے۔

ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین ○ قل لا املک لنفسی ضرا و لا نفعا الا ما شاء اللہ ط لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ و لا یستقدمون ○ ۴۸-۴۹

یعنی جب ان کو اس حقیقت نفس الامری سے آگاہ کیا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ متنبہ ہوں اور خطرے سے بچنے کی راہ اختیار کریں اس کا مذاق اڑاتے ہیں، پیغمبر اور اس کے ساتھیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو آخر تمھاری یہ دھمکی واقعہ کی صورت میں کیوں نہیں ظاہر ہوتی ہے تم کب سے یہی رٹ لگائے ہوئے ہو؟ آخر یہ چیز کب واقع ہوگی؟ فرمایا کہ ان کو جواب دے دو کہ یہ خدا کی بات تھی جو میں نے تمھیں سنا دی۔ رہا یہ امر کہ یہ بات کب واقع ہوگی تو نہ میں غیب جانتا اور نہ خود اپنے معاملے میں کسی نقصان یا نفع پر اختیار رکھتا ہوں۔ یہ چیز تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا یہ ظاہر ہوگی اور جب ظاہر ہوگی تو کوئی اس کو دفع نہ کر سکے گا۔ جلد بازوں کو جواب

'ولکل امۃ اجل ..... الایۃ' یہ اسی سوال کا اصولی جواب ہے کہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے نہ آگے۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ قوموں کی ہلاکت کی اجل اخلاقی پیمانہ سے ناپ کر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا طغیان اس حد کو پہنچ جاتا ہے جو ہلاکت کے لیے مقرر ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کا بیڑا غرق کر دیتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی کہ کب سوئی اپنے آخری نشان پر پہنچی۔ ہر امت کے لیے وقت مقرر ہے

قل ارءیتم ان اتٰکم عذابہ بیاتا او نھارا ماذا یستعجل منہ المجرمون ○ اثم اذا ما وقع اٰمنتم بہ ط آلئٰن وقد کنتم بہ تستعجلون ○ ثم قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد ھل تجزون الا بما کنتم تکسبون ○ ۵۰-۵۲

ان کے سوال 'متی ھذا الوعد' کا جواب تو اوپر کی آیات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دلوا دیا لیکن ساتھ ہی ان کے سوال کے مقابل میں ایک سوال ان سے بھی کر دیا کہ ان سے پوچھو کہ اس طنطنہ سے جو خدا کے عذاب کے متعلق سوال کر رہے ہو تو آخر کس بل بوتے پر کر رہے ہو؟ اس کا جلد بازوں سے ایک سوال

عذاب چاہے رات کی تاریکی میں چپ چپاتے آجائے یا پورے دن کی روشنی میں ڈنکے کی چوٹ آدھمکے آخر ان مجرمین نے اس کے مقابلے کے لیے کیا سامان دفاع تیار کر رکھا ہے؟ یہاں مجرموں کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو لوگ جرم سے بری ہیں اگر وہ اس طرح کا سوال کرتے تو اس کے لیے تو ایک جواز ہو سکتا تھا لیکن جو لوگ مجرم ہیں اور جن کے جرم ہی کی پاداش میں یہ برق خاطف گرنے والی ہے ان کی یہ ڈھٹائی ان کی بدبختی اور شامت کے سوا اور کس چیز کی دلیل ہے۔

'اثم اذا ما وقع آمنتم بہ' یعنی کیا اس لیے جلدی مچائے ہوئے ہو کہ جب وہ آجائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے کہ پیغمبر نے سچی خبر دی تھی اور وہ سچے تھے؟ لیکن اس وقت کا ایمان کیا نفع دے گا؟ اس وقت ایمان لائے تو تم سے کہا جائے گا 'آلئن وقد کنتم بہ تستعجلون' کہ اب مانے حالانکہ یہی چیز ہے جس کے لیے تم اپنی رعونت کے سبب سے جلدی مچائے ہوئے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ محض بھبکی ہے۔

'ثم قیل للذین ظلموا' یعنی مذکورہ عذاب عاجل کے بعد جب عذاب آخرت کا مرحلہ آئے گا تو ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو، یہ تمہاری اپنی ہی کرتوتوں کا ثمرہ ہے۔ یہاں ان لوگوں کو ظالم اس وجہ سے کہا گیا کہ انھوں نے اپنے لیے یہ بس بھری فصل خود کاشت کی، خدا ان کے اوپر، جیسا کہ اوپر آیت ۴۴ میں ہے، کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

ویستنبئونک احق ہو قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین ولو ان لکل نفس ظلمت ما فی الارض لافتدت بہ واسروا الندامۃ لما راوا العذاب وقضی بینہم بالقسط وہم لا یظلمون ۵۳-۵۴

'ویستنبئونک احق ہو' اوپر آیت ۴۸ میں کفار کا سوال 'متی ہذا الوعد' نقل ہوا ہے۔ یہ سوال بھی اسی نوعیت کا ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ اُس میں انکار و استہزا کا پہلو ذرا مخفی ہے، اس میں وہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ سوال کرنے والوں کے مزاج مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ذرا رکھ رکھاؤ کے انداز میں اپنے دل کی بات کہتے ہیں، بعض منہ پھٹ ہوتے ہیں جو اپنی بات پھینک مارتے ہیں۔ اسی قسم کے لاابالیوں کی زبان سے یہ سوال نقل ہوا ہے کہ یہ پیغمبر سے پوچھتے ہیں کہ یہ جو عذاب اور جزا و سزا کی باتیں سنا رہے ہو یہ حقیقت ہے یا یونہی محض دھونس جمانے کے لیے ڈینگیں مار رہے ہو؟

'قل ای وربی انہ لحق وما انتم بمعجزین' 'ای' حرف جواب ہے نعم کے معنی میں ... ہے

صرف قسم سے پہلے آتا ہے۔ سوال کرنے والوں کی ذہنیت کو پیش نظر رکھ کر صرف سادہ جواب ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قسم کے ساتھ جواب دیا کہ یہ چیز شدنی ہے اور ساتھ ہی 'وما انتم بمعجزین' کے الفاظ سے ان کی رعونت پر بھی ضرب لگا دی کہ جب یہ چیز ظاہر ہوگی تو تم میرے رب کی گرفت سے نہ بچ سکو گے۔

'ولو ان لکل نفس ظلمت ...... الایۃ' یعنی آج تو بڑی رعونت سے تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو لیکن جب یہ چیز سامنے آئے گی تو ہر جان، جس نے اس دن سے غفلت برت کر اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہوگا، اس کا حال یہ ہوگا کہ اگر زمین کی ساری دولت بھی اس کے ہاتھ آ جائے اور اس کو فدیہ میں دے کر اس دن کی ہولناکیوں سے نجات پا نا ممکن ہو تو وہ اس کو فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے گی۔ 'واسروا الندامۃ لما راوا العذاب' میں وہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے جو سورہ انعام آیت ۳۱ میں بیان ہوئی ہے 'حتی جاء تھم الساعۃ بغتۃ قالوا یاحسرتنا علی ما فرطنا فیھا' (یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ان پر آ دھمکے گی وہ کہیں گے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو اس معاملے میں ہم نے کی) چونکہ ندامت اور افسوس کا منبع انسان کا باطن ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے لفظ اسرّ استعمال ہوا ہے۔ جس طرح 'ابطن العداوۃ' کا محاورہ عربی میں معروف ہے۔ مقصود یہی بتانا ہے کہ آج تو یہ مذاق اڑا رہے ہیں لیکن کل وہ اپنی نالائقی پر نادم اور پشیمان ہوں گے۔ 'وقضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون' یعنی ان کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، جو کچھ انھوں نے کمایا ہوگا وہ ان کے سامنے آئے گا۔ ان کے اوپر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اس میں ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہو گیا کہ انھوں نے اپنے مزعومہ شرکاء اور شفعاء سے جو امیدیں باندھ رکھی ہیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گی۔ کوئی چیز خدا کے انصاف پر اثر انداز نہ ہو سکے گی۔

'الا ان للہ ما فی السموت والارض ط الا ان وعد اللہ حق ولکن اکثرھم لا یعلمون ۵ ھو یحیی و یمیت والیہ ترجعون۔ ۵۵-۵۶

یہ توحید کے مضمون سے اوپر کے مضمون کو مزید مؤکد کیا ہے اور 'الا' کے لفظ سے پوری طرح تنبیہ بھی فرما دیا ہے کہ کان کھول کر اچھی طرح سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے، کسی کی بھی اس میں شرکت اور حصہ داری نہیں ہے۔ اس کا ہر وعدہ اور اس کی ہر وعید ایک امر واقعی اور شدنی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ اگر کسی نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کا معاملہ اس کے مزعومہ شرکاء اور شفعاء سے متعلق ہوگا تو وہ اس خیال خام کی اصلاح کر لے۔ جن کو زندہ کرنے میں کوئی دخل نہیں، جن کو موت کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں آخر وہ

آخرت میں مولیٰ و مرجع کس طرح بن جائیں گے۔ 'ولکن اکثرھم لا یعلمون' مجرد خبر کا جملہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر افسوس اور حسرت کا مضمون مضمر ہے یعنی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کا ہر وعدہ اور اس کی ہر وعید شدنی ہے اور اس وقت خدا کے آگے کسی کی بھی پیش نہیں جائے گی لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اس عظیم حقیقت سے اپنے کان بند کیے ہوئے ہیں۔

یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ للمومنین ۝ قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ ۵۷-۵۸

'یایھا الناس ۔۔۔۔ الایۃ' اوپر ایک نظر ڈال کر دیکھ لیجیے یہ سلسلہ کلام آیت ۳۷ میں کفار کے اس خیال کی تردید سے چلا تھا کہ یہ قرآن کوئی من گھڑت چیز ہے۔ اس کے بعد کلام کا رخ ان باتوں کو ثابت کرنے کی طرف مڑ گیا تھا جو مخالفین کے ذہنوں میں الجھن پیدا کیے ہوئے تھیں اور جن کو نہ ماننے کی خواہش کے تحت وہ قرآن اور پیغمبر کی تکذیب کر رہے تھے۔ اب پھر بطور التفات قرآن کی قدر و قیمت واضح کر دی گئی کہ کتنی بڑی نعمت ہے جو لوگوں کو محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوئی ہے لیکن بدقسمت لوگ اس کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ یہاں قرآن کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ 'یہ تمہارے رب کی جانب سے موعظت ہے' یعنی جن خطرات مہلک سے لوگوں کو بچنا چاہیے ان سے آگاہی اور جو لوگ آنکھ بند کیے ان کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں ان کو زجر و تنبیہ۔ دوسری یہ کہ 'شفاء لما فی الصدور' ہے۔ یعنی دلوں کو جو روگ لگتے اور جن کے سبب سے انسان تمام انسانی اوصاف کھو کر مختوم القلب اور حیوانات سے بدتر بن جاتا ہے، ان سب کا اس میں علاج ہے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں دل ہی کو تمام حکمت و بصیرت اور تمام عزائم و اعمال کا مرکز اور حقیقی زندگی کا منبع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کے نزدیک زندہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے دل زندہ ہیں، جن کے دل زندہ نہیں ہیں وہ مردہ ہیں۔ تیسری اور چوتھی یہ کہ یہ ہدایت و رحمت ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں آغاز و انجام دونوں پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ اس دنیا میں قرآن ہدایت ہے اور جو لوگ اس ہدایت کو قبول کر لیں گے ان کے لیے آخرت میں ابدی رحمت کی ضمانت ہے۔

'قل بفضل اللہ ۔۔۔۔ الایۃ' میرے نزدیک آیت میں فعل محذوف ہے یعنی 'قل بفضل اللہ و برحمتہ جاء' یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو لے کر نازل ہوا ہے۔ 'فبذلک فلیفرحوا' تو جن کو خوش ہونا ہے وہ اس فضل و رحمت کو اختیار کریں اور اس پر خوش ہوں 'ھو خیر مما یجمعون' یہ ان خزف ریزوں سے کہیں بڑھ کر ہے جن کو دنیا کے پرستار جمع کر رہے ہیں اور جن کے عشق میں

ایسے اندھے ہوئے ہیں کہ ابدی قدر و قیمت کے یہ جواہرات ان کو نظر نہیں آ رہے۔

قل ارءیتم ما انزل اللہ لکم من رزق فجعلتم منہ حراما و حلالا ط قل آللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون ٥ وما ظن الذین یفترون علی اللہ الکذب یوم القیمۃ ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثرھم لا یشکرون ٥ ۵۹-۶۰

'قل ارءیتم ... الایۃ' اوپر والی آیت میں قرآن کا ذکر، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بطور التفات آ گیا تھا۔ اس کے بعد توحید اور قیامت کا وہ سلسلۂ بیان پھر لوٹ آیا جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت ثابت کرنے کے لیے شروع سے چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ ذرا تم اپنی اس عجیب و غریب حرکت پر غور کرو کہ رزق اتارا تو اللہ نے لیکن اس میں حرام اور حلال تم نے اپنے جی سے ٹھہرا لیے۔ شرک اور تحریم و تحلیل کے تعلق پر ایک سے زیادہ مقامات میں تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔ اول تو تحریم و تحلیل خدا کے حقوق میں مداخلت ہے جو بجائے خود شرک ہے۔ دوسرے مشرکین نے یہ تحریم و تحلیل، جیسا کہ سورۂ انعام میں تفصیل سے بحث گزر چکی ہے، اپنے مشرکانہ عقائد و تصورات کے تحت کی تھی۔ لیکن دعویٰ یہ کرتے تھے کہ یہی خدا کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنی من گھڑت شریعت کو بے دلیل خدا کی طرف منسوب کرنا خدا پر افترا ہے جو شدید ترین جرائم میں سے ہے۔

'وما ظن الذین یفترون' یہ افترا علی اللہ کے جرم میں انتہائی شناعت کا اظہار ہے۔ سوال کیا ہے کہ لوگ اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں قیامت کے دن ان کا کیا گمان ہے؟ سوال کر کے جواب دیے بغیر بات ختم کر دی جو متکلم کے انتہائی غضب کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ شامت زدہ لوگ اس جرم عظیم کو کوئی معمولی بات سمجھے بیٹھے ہیں قیامت آئے گی تو انھیں پتہ چلے گا کہ اس جسارت کی ان کو کیا سزا ملتی ہے۔

'ان اللہ لذو فضل ... الایۃ' مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ جرم تو ایسا گھنونا ہے کہ ابھی ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا لیکن اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے کہ لوگوں کے بڑے بڑے جرائم کے باوجود ان کو مہلت بھی دیتا ہے اور ان کو اپنے رزق و فضل سے بھی محروم نہیں کرتا کہ اگر وہ اپنے جرم کی تلافی اور توبہ و اصلاح کرنا چاہیں تو کر لیں لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہی ہے کہ وہ شکر گزار نہیں ہوتے بلکہ اس ڈھیل اور درگزر سے ان کی حماقت اور شرارت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

وما تکون فی شان وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء

ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر الا فی کتٰب مبین ۝ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا
ھم یحزنون ۝ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون ۝ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی
الاٰخرۃ لا تبدیل لکلمٰت اللہ ط ذٰلک ھو الفوز العظیم ۝ ولا یحزنک قولھم ان العزۃ
للہ جمیعا ط ھو السمیع العلیم ۝ ۶۱-۶۵

'وماتکون فی شان ..... الایۃ' یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے بطور التفات تسلی اور بشارت ہے کہ مخالفوں کی ان غوغا آرائیوں کی ذرا پروا نہ کرو، تم جہاں کہیں اور جس حال میں بھی ہو کر عبادت وطاعت اور تذکیر و دعوت کی جس مہم میں بھی مصروف ہو پورے انہماک اور پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اس میں لگے رہو۔ ہم ہر جگہ تمھارے ساتھ ہیں، تمھارے ایک ایک عمل کو دیکھ رہے ہیں اور تمھاری حفاظت و نگرانی کر رہے ہیں۔ آسمان اور زمین کی کوئی چیز، چھوٹی ہو یا بڑی، خدا سے اوجھل نہیں ہے۔ ہر چیز ایک کھلی کتاب میں درج اور ہر وقت خدا کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ 'وما تتلوا منہ من قراٰن' میں ضمیر مجرور کا مرجع کتاب الٰہی ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵۷-۵۸ میں گزر چکا ہے اور 'قرآن' سے یہاں مراد کتاب الٰہی کا کوئی جزو یا حصہ ہے۔ اس معنی کے لیے نظائر قرآن میں موجود ہیں۔ 'ولا تعملون من عمل' میں خطاب جمع آپ کے جاں نثار ساتھیوں سے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ پیام تسلی و بشارت پیغمبر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ کے ساتھیوں کے لیے بھی ہے جو اس وقت اللہ کے دین کی راہ میں جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ 'اذ تفیضون فیہ'، 'افاض' کا صلہ جب 'فی' کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی شے میں غایت درجہ انہماک کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس قید سے ایک تو اس غیر معمولی انہماک پر بھی روشنی پڑی جو اقامت دین کی اس جدوجہد میں صحابہ کو تھا۔ دوسرے اس سے تسلی کے مضمون کی بلاغت بھی دوچند ہو گئی ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم اپنے تن، من، دھن ہر چیز سے بے پروا ہو کر خدا کے کلمہ کی سربلندی کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہوتے ہو تو اس وقت ہم تمھارے پیچھے تمھاری حفاظت و نگرانی میں مصروف ہوتے ہیں۔

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

'الا ان اولیاء اللہ ..... الایۃ' اسلوب کلام سے بن کہے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہی گروہ اللہ کے دوستوں کا گروہ ہے اور ان کے لیے آخرت میں ایک ایسی زندگی کی بشارت ہے جس میں نہ

ماضی کا کچھ پچھتاوا ہوگا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔

'الذین امنوا وکانوا یتقون' اس صفت کے یہاں لانے سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کی دوستی اور محبت کا یہ مقام اور اس کا مذکورہ ثمرہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان کے ساتھ تقویٰ اور حدود الٰہی کی حفاظت پر قائم و دائم رہیں گے۔ یعنی یہ کسی گروہ کا اجارہ نہیں بلکہ صفات کے ساتھ مشروط ہے۔

'لھم البشری فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ' - یعنی ان کے لیے دنیا کی زندگی میں غلبہ و تمکن اور آخرت میں جنت نعیم کی بشارت ہے۔ یہاں وہ بات ذہن میں رہے جو ہم رسولوں کے متعلق ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کر چکے ہیں کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اس دنیا میں بھی لازماً غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس غلبہ کے باب میں جو سنتِ الٰہی ہے اس کی وضاحت بھی اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ ان انبیاء کا معاملہ جو صرف نبی تھے، رسول نہیں تھے، اس سے الگ ہے۔

'لا تبدیل لکلمٰت اللہ' یہاں 'کلمٰت اللہ' سے مراد خدا کے وعدے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وعدے اٹل ہیں۔ یہ پورے ہو کے رہیں گے۔ اور اصلی اور بڑی کامیابی یہی ہے جس کا وعدہ اہل ایمان کے لیے کیا جا رہا ہے۔

'ولا یحزنک قولھم ان العزۃ للہ جمیعا' یہاں 'قولھم' سے مراد کفار کے اس طرح کے طعن آمیز اقوال ہیں جن کی ایک مثال سورۂ ہود آیت ۱۲ میں یوں نقل ہوئی ہے۔ 'فلعلک تارک بعض مایوحی الیک وضائق بہ صدرک ان یقولوا لولا انزل علیہ کنز او جاء معہ ملک انما انت نذیر واللہ علی کل شیء وکیل' (تو شاید تم اس وحی کا جو تم پر کی جا رہی ہے، کچھ حصہ چھوڑ دینے والے ہو اور اس سے تمہارا سینہ بھنچ رہا ہے کہ وہ طعنہ دیں گے کہ اس کے اوپر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، تم تو بس ایک ہوشیار کر دینے والے ہو، اللہ ہر چیز پر وکیل ہے) ان آیات کے نزول کے دور میں مسلمانوں کا جو حال تھا اس کے لحاظ سے تمکن اور غلبہ کی وہ بشارت جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوئی کفار کے لیے طنز اور استہزا کا موضوع بن سکتی تھی۔ وہ کہہ سکتے تھے اور انھوں نے کہا بھی ہوگا کہ ذرا اس نئے دین کے سرپھروں کا حوصلہ دیکھو کہ کسی کو دو وقت کی قرینہ کی روٹی اور تن ڈھانکنے کو سلیقہ کا لباس نصیب نہیں لیکن حکومت و سلطنت کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر فرمایا کہ تمھیں مخالفین کی اس طرح کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ تمھارے لیے جو بشارت ہے وہ حتمی اور قطعی ہے۔ عزت کا مالک اللہ ہے۔ یہ چیز جس کو بھی ملتی ہے

اللہ ہی کے دیے ملتی ہے۔ اب اللہ نے اگر یہ عزت تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو دینے کا فیصلہ فرما لیا ہے تو اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ 'ھو السمیع العلیم' کی صفات کے حوالے سے مقصود یہاں پیغمبرؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو صبر اور توکل کی تعلیم دینا ہے کہ خدا ساری باتیں سنتا اور جانتا ہے۔ ان کی ہر بات کا جواب اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ تم صبر کے ساتھ اپنے کام کیے جاؤ۔

الا ان للہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض ط وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ط ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ہ ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا ط ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یسمعون ہ قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحٰنہ ط ھو الغنی لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ط ان عندکم من سلطٰن بھذا اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون ہ قل ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ہ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون ۔ ۶۶ - ۷۰

'الا ان للہ ..... الایۃ' اوپر والی آیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بطور التفات تھی۔ اب توحید کے مضمون کو پھر لے لیا جو پیچھے سے چلا آ رہا تھا۔ فرمایا کہ اچھی طرح کان کھول کے سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے، خواہ فرشتے یا جنات یا انسان سب خدا ہی کی مخلوق اور اسی کے مملوک ہیں، ان میں سے کسی کا یہ درجہ نہیں کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک و سہیم ہو تو جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ فی الحقیقت خدا کے شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے ہیں اس لیے کہ خدا کا تو کوئی شریک ہے ہی نہیں بلکہ یہ لوگ محض اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلا رہے ہیں 'ظن' کے لفظ پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ بات ہے جس کی بنیاد نہ علم صحیح پہ ہے نہ عقل و فطرت پر بلکہ مجرد وہم و خیال اور اٹکل پچو اندازوں پہ ہے۔

'ھو الذی جعل لکم الیل .... الایۃ' اس آیت میں عربی زبان کا وہ اسلوب استعمال ہوا ہے جس میں مقابل الفاظ حذف کر دیے جاتے ہیں اور جس کی متعدد مثالیں پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہیں۔ اس حذف کو کھول دیا جائے تو پوری بات گویا یوں ہوگی۔ جعل لکم الیل (مظلما لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا لتعملوا فیہ)

فرمایا وہی خدا ہے جس نے تمہارے لیے شب کو تاریک اور خنک بنایا تاکہ تم اس میں آرام

کرو اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں کام کرو۔ ان فی ذلک لایت لقوم یسمعون، یعنی رات اور دن کی اس نوعیت میں سننے اور سمجھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہاں نشانیوں کی وضاحت نہیں کی ہے لیکن قرآن کے دوسرے مقامات میں ان کی وضاحت موجود ہے۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

رات اور دن کی نشانیاں

سب سے پہلے تو اس توافق پر نگاہ کیجیے جو رات اور دن کے اندر، باوجودیکہ وہ دونوں ضدین کی نسبت رکھتے ہیں، پایا جاتا ہے کہ دونوں مل کر انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ رات اس کے لیے راحت کا بستر بچھاتی ہے اور دن اس کے لیے سرگرمیوں کا میدان کھولتا ہے۔ یہی حال اس کائنات کے تمام اضداد کا ہے کہ وہ پوری وفاداری اور سازگاری کے ساتھ اپنے سے بالاتر مقصد کی خدمت میں سرگرم ہیں اور اس سے ذرا انحراف اختیار نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ایک بالاتر اور حکیم ارادہ اس کائنات کے پورے نظام پر حاوی اور قاہر ہو اور وہ اس کے اجزائے مختلفہ میں ربط و تعلق پیدا کر کے اس کو اپنی حکمت کے تحت چلا رہا ہو۔ یہ اس توحید کی دلیل ہوئی جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہے۔

دوسری چیز جو ظاہر ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کارخانۂ کائنات، نہ کوئی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں آجانے والی شے ہے اور نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشہ ہے بلکہ اس کے ہر گوشے میں عظیم قدرت، حیرت انگیز حکمت اور نہایت گہری غایت و مصلحت پائی جاتی ہے۔ یہ چیز مقتضی ہے کہ یہ دنیا نہ یوں ہی چلتی رہے، نہ یوں ہی تمام ہو جائے بلکہ ضروری ہے کہ یہ کسی عظیم غایت پر منتہی ہو اور یہ غایت بغیر اس کے پوری نہیں ہو سکتی کہ اس کے بعد آخرت کو تسلیم کیا جائے۔

تیسری چیز وہ ربوبیت کا نظام ہے جو اس کے ہر گوشے میں جلوہ گر ہے۔ ربوبیت مسئولیت کو مقتضی ہے جس نے ہمارے لیے زندگی اور پرورش کا یہ سارا نظام قائم کیا ہے اس کا ہم پر فطری طور پر حق قائم ہوتا ہے اور لازم ہے کہ ایک دن اس حق کی بابت ہم سے پرسش ہو۔ جنھوں نے اس حق کو پہچانا ہو وہ اس کا انعام پائیں اور جنھوں نے اس کی ناقدری کی ہو وہ اس کی سزا بھگتیں۔ اس اعتبار سے یہ جزا اور سزا کی دلیل ہوئی۔

یہاں جس طرح قرآن نے اشارے پر اکتفا کیا ہے اسی طرح ہم بھی اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔ دوسرے مقامات میں یہ سارے پہلو نہایت تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔

'قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحنہ ..... الایۃ' لفظ 'ولد' مذکر، مونث، جمع، مثنیٰ سب کے لیے آتا ہے جن لوگوں نے اس کو بیٹے کے معنی میں لیا ہے ان کی بات زبان اور عرب کے عقائد دونوں کے خلاف ہے۔ یہاں عقائد مشرکین عرب کے زیر بحث ہیں اور مشرکین عرب کسی کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تھے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

'سبحنہ' یعنی یہ بات خدا کی صفات الربیت کے منافی ہے کہ اس کے لیے اولاد مانی جائے اس لیے کہ جو اولاد ہو گی وہ خدا کی ذات کا ایک جزو اور اس کی مثیل و نظیر ہو گی اور یہ شرک فی الذات اور اس کی بے ہمگی اور بے ہمتائی کی نفی ہے۔

'ھو الغنی' یعنی خدا اس بات سے مستغنی ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ آدمی کو اولاد کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس کی نسل کی بقا کا ذریعہ بنتی ہے، اس کے کاروبار میں اس کی مددگار ہوتی ہے، جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو اس کو سہارا دیتی ہے۔ خدا ان تمام ضروریات و حالات سے بالا و برتر، مستغنی اور بے نیاز ہے۔ 'لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض' آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ 'ان عندکم من سلطان بھذا' سلطان کے معنی دلیل کے ہیں۔ یعنی تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بس یوں ہی خدا پر ایک تہمت جوڑ رہے ہو۔

'قل ان الذین یفترون ..... الایۃ' 'فلاح' کا لفظ قرآن میں عاقبت کار کی کامیابی و سرخروئی کے لیے آتا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر شرک کی تہمت جوڑ رہے ہیں وہ عاقبت کار کی کامیابی سے محروم ہیں۔

'متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ..... الایۃ' یعنی ان کے لیے بس اس دنیا کی زندگی میں چند روزہ نفع اٹھا لینے کی مہلت ہے۔ پھر سب کی واپسی ہماری طرف ہو گی اور ہم ان کے کفر کی پاداش میں ان کو اپنے عذاب سخت کا مزہ چکھائیں گے۔

قرآن اور پردہ

تالیف: مولانا امین احسن اصلاحی — عام کتابی سائز — عمدہ سفید کاغذ، ٹائپ کی طباعت

ضخامت: ۲۰۳ صفحات؛ قیمت: ساٹھ پیسے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور — ۱۲-۱ افغانی روڈ سمن آباد لاہور

عالم اسلام

جنوبی افریقہ کے مسلمان

حالات کا جائزہ اور ایک تعمیری تجویز

ذیل کا مضمون ہمیں جناب احمد ثبات صاحب نے جنوبی افریقہ سے اس استدعا کے ساتھ ارسال فرمایا ہے کہ جو حضرات اس میں پیش کردہ تجویز کے ضمن میں تصنیف و تالیف کی راہ سے کچھ علمی تعاون فرما سکتے ہوں وہ ان سے پتہ ذیل پر رابطہ قائم کریں۔

MR. AHMAD SABAT.
49- MAIN ROAD
TON GAAT.
NATAL —— S-AFRICA.

اس مضمون کے ساتھ بشکریہ ماہنامہ 'برہان' دہلی لکھا ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ معاصر برہان دہلی میں شائع ہو چکا ہے۔ —— مدیر

براعظم افریقہ کے اقصی الجنوب میں جنوبی افریقہ کا (ساؤتھ افریقہ) ملک واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریبًا پانچ لاکھ مربع میل ہے۔ مورخین کے قول کے مطابق یورپین قومیں ۱۶۵۲ء میں مغربی طرف سے آئیں اور حبشی اقوام شمال کی طرف سے آکر آباد ہوئیں اور بعض حبشی قومیں پہلے سے آباد تھیں۔ ہندی قومیں ۱۸۶۰ء میں مزدورانہ حیثیت سے آکر آباد ہوئیں اور ان سب کے اختلاط سے ایک دوسری قوم جو کلرڈ کہلاتی ہے ہستی میں آئی۔

حبشی ایک کروڑ دس لاکھ ہیں جن میں تھوڑے مسلمان ہیں جو مشرقی افریقہ سے یہاں کام کرنے آئے ہیں اور بعض نے یہاں اسلام قبول کر لیا ہے۔ یورپین چالیس لاکھ، ملائی پچھتر ہزار (جو ملایا سے غلام حیثیت سے لائے گئے تھے) کلرڈ پندرہ لاکھ اور ہندی چھ لاکھ ہیں۔ ہندی میں مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی ہیں۔ تقریبًا چار حصہ ہندو ہیں اور ایک حصہ مسلمان۔ ہندوؤں میں زیادہ تر مدراس علاقہ سے ہیں اور تقریبًا ایک تہائی دہلی بہار وغیرہ علاقے سے آئے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کلکتہ بندرگاہ سے آئے ہیں اس لئے کلکتیہ اور ہندوستانی کہلاتے

ہیں۔ گجرات، کاٹھیا واڑ کے ہندو بنیا کہلاتے ہیں۔ مدراس کے بہت سے ہندو عیسائی ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں میں اکثریت حیدرآباد کے مسلمانوں کی ہے۔ گجرات کے بوہرہ (سنی) اور کاٹھیاواڑ کے میمن ہیں۔ گجرات، کاٹھیاواڑ کے علاوہ تمام قومیں اپنے آبائی وطن سے بالکل انجان ہیں۔ کوئی رشتہ و تعلق باقی نہیں رہا ہے اور نہ دلچسپی ہے۔ یہ تمام قومیں اسی کو اپنا وطن سمجھتی ہیں اور یہاں جینا مرنا پسند کرتی ہیں۔ یورپینوں اور حبشیوں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ یورپین غالب آئے۔ ان کی حکومت قائم ہوگئی اور اب تک قائم ہے۔ لیکن دنیا کے تغیر و تبدل سے حبشیوں کو ان کے علاقے میں دستوری حکومت (یورپینوں کے زیرِ سایہ) دینا شروع کیا ہے۔ ہندی مزدورانہ حیثیت سے آئے۔ مزدوری کا عہد پانچ برس پورا کرنے کے بعد آزاد کر دیئے گئے۔ بہت سے اسی کاموں میں ہیں۔ بعضے زمیندار ہو گئے۔ اور بعضے تاجر۔ گجرات، کاٹھیاواڑ کے ہندی اصل سے تجارت میں ہیں اور زیادہ تر انہیں کا قبضہ ہے۔ ہندیوں کو ان کی آبادی والے ٹاؤنوں (آبادیوں) میں ممبری کا حق ملا ہے اور مرکزی مشاورتی کمیٹی بھی پچیس ممبروں کی بنائی ہے۔ صوبائی اور مرکزی حکومت میں نہ ان کی نمائندگی ہے اور نہ آواز۔

اس ملک کو اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ سونا۔ ہیرے۔ جواہرات، لوہا، کوئلہ وغیرہ معدنیات بڑے پیمانے پر نکالے جاتے ہیں۔ موسم معتدل ہیں اس لئے زراعت بہت کامیابی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یورپین قوموں نے محنت و کوشش سے تعلیم اور سائنس کی روشنی میں خداداد قابلیت کے ساتھ اس ملک کو بہت آباد، شاداب اور خوشحال بنا کر اس ملک کو رشکِ ارم بنا دیا ہے اور جانفشانی اور فیاضی سے دن بدن آبادی میں اضافہ کرکے افریقہ کا سب سے آباد، سب سے خوشحال اور ترقی یافتہ اور سب سے مضبوط، طاقتور ملک بنا دیا ہے۔ اور یہ مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کے زمانہ میں اگر امریکہ کے برابر نہیں تو اس کی صف میں تو ضرور کھڑا رہ سکتا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ آج کی دنیا کا باشندہ یورپین قومیں ہیں گو کہ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کو آزاد کر دیا ہے لیکن زندگی کی ضروریات میں بالخصوص سائنس میں ایشیا اور افریقہ ان کے دستِ نگر ہیں۔ اس ملک کو یورپینوں نے اپنی والہانہ کوششوں سے صرف آباد اور مضبوط ہی نہیں بنایا بلکہ اپنے اثر و اقتدار سے حبشی اور ہندی قوموں کی کایا پلٹ دی ہے۔ گو کہ یہ ملک افریقہ کا حصہ ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یورپ کا حصہ ہے یا امریکہ کا کنارہ ہے۔ یورپین قومیں بچپن ہی سے تعلیم و تربیت نہایت کوشش، انہماک اور جانفشانی سے حاصل کرتی ہیں، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، ہمدردی، ظاہری وضعداری، انصاف قوم و وطن کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنا، اپنے حصولِ مقصد میں جان و مال کی پرواہ نہ کرنا نمود و نام آوری میں جان کھپانا، وقت کی پابندی، قوانین کی تابعداری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ہماری ہندی قوم کے آباؤ اجداد

سیدھے سادے، بھولے بھالے، ان پڑھ تھے۔ مدراس کا مزدور اور گجرات کا تاجر اس میں برابر تھے۔ لیکن ان کی اولاد آج وکیل، ڈاکٹر، نرس، ٹیچر کلرک وغیرہ نامور تاجر، بڑے بیوپاری، فیکٹری اور کارخانہ جات والے لکھپتی ہوگئے ہیں۔ یورپینوں، حبشیوں اور ہندیوں کے سکول الگ الگ ہیں مگر بچپن ہی سے وقت کی پابندی اصول کی تابعداری، سرداروں کی اطاعت، قوانین ملک کی رعایت، انسانیت کی خیر خواہی سکھلائی جاتی ہے۔ اولوالعزمی، شغف، جانفشانی، محنت، عرق ریزی ان کا خمیر ہوتا ہے۔ نام ونمود آوری اور حصولِ مادیت ان کی طبیعت بن جاتی ہے۔ مڈل ایسٹ (مشرق وسطیٰ) اور ہند وپاکستان کی میری مساعی میں یہ فرق صاف صاف نمایاں معلوم ہوتا تھا۔ ہندی قوم چونکہ طبعًا عقل و ذکا اور وفاداری میں دوسری قوموں سے بڑھی ہوئی ہے۔ جلد اثر قبول کرلیتی ہے۔ اس لیے تعلیم وتربیت اور ماحول کے اثر سے اس کی اصلیت "مشرقیت "سے" مغربیت" اور" روحانیت "سے" مادیت " میں تبدیل ہوچکی ہے۔ سکولوں کی پابندی تو عام ہے لیکن تجارت میں اوقات کی پابندی، کارخانوں میں علی الصباح ہندی جوان لڑکے لڑکیاں سرعت اور پابندی سے جاتی ہیں اور ان کی روزانہ زندگی اور کاروبار میں اسی تعلیم وتربیت اور ماحول کا اثر ہے اور یہی سب وہ عمل ہے جس سے روزی میں فراخی معیشت اور معاشرہ کے طریقوں میں تنوّع اور جدّت اور وسعت بہت ہی زیادہ ہے۔ رہائش و زیبائش کے حصول میں کوشش اور شغف، خورد ونوش، لُبس و زینت میں تنوع مادیت کے حصول میں اپنی پوری کوشش خرچ کرتے ہیں اور ساتھیوں سے میل جول میں ہمہ تن کوشاں رہتے ہیں۔ یہی وہ سبب ہے کہ جب یہاں کا ہندی اپنے مادرِ وطن جایا کرتا ہے تو اس کو ہر چیز نئی اور انوکھی اور انسان بھی دوسری دنیا کا انسان معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہاں کا ہندی اپنے آباد و اجداد جیسا ہندی نہیں ہے بلکہ اکل وشرب، لُبس و زینت، گفتار و رفتار، بود وباش، معاش ومعاشرہ میں پورا مغربیت سے بھرا ہوا ہے اور الناس علی دین ملوکھم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اصول مغربیت کے مطابق لڑکے لڑکیاں ساتھ مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کارخانوں میں ساتھ کام کرتے ہیں۔ سینما، کھیل کود، سیر وتفریح سب کا جزوِ زندگی ہے۔ دکانوں و دفتروں میں ساتھ کام کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہاں کا ہندو نہ تو کٹر مہاسبھائی ہندو ہے اور نہ مسلمان پکا سرحدی مسلمان بلکہ سب کے مدِنظر حصولِ مادیت ہے۔ بدنی اعضاء ہونٹ، رخسار، پلک، بھوں، سر کے بال، آگے اور پیچھے کا حصّہ وغیرہ سب کو خصوصیت سے زیادہ خوبصورت بنانا اور لباس ایسا پہننا جس میں بدن زیادہ جھلکے اور میلان زیادہ بڑھے۔ مکانوں کی سجاوٹ، حصولِ مال وجاہ و تفریح قلب منتہائے نظر ومقصود ہے۔ بسا اوقات لوگوں کو اکل وشرب سے زیادہ کوسمیٹک (پاوڈر کریم عطر وغیرہ) میں خرچ کرتے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ستمبر ۶۸ء میں ڈربن فٹ بال ٹیم کا جوہانسبرگ ٹیم کے ساتھ میچ جوہانسبرگ میں ہوا۔

ڈربن سے جوہانسبرگ چار سو میل سے زیادہ دور ہے۔ کھلاڑی سب یورپین تھے۔ ہندیوں کو یورپینوں کے ساتھ کھیلنے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ صرف دیکھنے کے لیے اور اپنی طبعی دلچسپی کے لیے جوہانسبرگ جانا چاہتے تھے۔ پندرہ سو ٹکٹ آئے اور بک گئے۔ پھر اور زیادہ دو سو آئے۔ ان کی خریداری کے لیے دو ہزار ہندی جمع ہو گئے۔ قریب تھا کہ طوفان مچ جاتا۔ دیکھنے کے لئے خاص عزت و راحت کی جگہ نہیں ہوتی۔ صرف دیکھنے کے لئے دو ہزار سفر کیا۔ مزید برآں ٹکٹ نہ ملنے کے باوجود مزید پندرہ سو اور پہنچ گئے۔ عورتیں بھی گئیں۔ موٹروں کے ایکسیڈنٹ میں دو موتیں بھی ہوئیں۔ بس وغیرہ کے حادثہ میں کئی زخمی ہوئے۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اللہ کے فضل و کرم سے ہر مسلم بستی میں مساجد و مدارس ہیں اور علماء اساتذہ، ائمہ اور مبلغین کی خدمات کے طفیل مسلمان بہرحال قانونی مسلمان تو ہے بلکہ بہت سے گھرانے ایسے بھی ہیں جو دیندار، پرہیزگار، خلوص امروت و ایثار جود و سخا میں اپنی مثال آپ اور قابلِ رشک ہیں، اور اپنی اولاد کو اعلیٰ دینی تعلیم دینے کے لیے ہند و پاکستان بہت کافی تعداد میں بھیج رہے ہیں۔ لیکن دینی تعلیم دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ بعض عربی زبان دانی کے شوق میں قرآنی تعلیم کھو رہے ہیں۔ یہاں زبان انگلش، ڈچ اور زولو ہے۔ سب کاروبار اسی میں ہوتا ہے۔ اس لیے گجراتی، اردو زبان ختم ہو گئی ہے۔ بہت سے مدارس میں انگلش میں مسائل سکھائے جاتے ہیں۔ تھوڑی بہت اردو پڑھتے ہیں۔ وہ مدرسہ چھوڑنے پر استاد کو واپس کر کے آجاتے ہیں۔ ملائی مسلمان خورد و نوش، لباس و زینت، رہائش و زیبائش، سیر و تفریح تمام اصولِ زندگی میں پورا مغربیت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ان میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک داماد مسلمان، دوسرا ہندو، تیسرا عیسائی ہے۔ رفتار زمانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہندی مسلمان اسی رَو میں بہہ رہا ہے اس لیے اس کا انجام بھی وہی ہوگا یہاں قانوناً یورپینوں کے ساتھ مناکحت وغیرہ منع ہے۔ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے ورنہ کب سے ہماری ہندیت اور اسلامیت ختم ہو جاتی۔ یہاں ہندو مسلمان لڑکے لڑکیاں سب ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تعلیم اور زیادہ عام اور اعلیٰ بنائی جا رہی ہے۔ عورتیں، کارخانوں دکانوں اور زندگی کے تمام شعبوں میں حصہ لے رہی ہیں۔ پہلے ہندی جہاں چاہتے رہ سکتے تھے لیکن ہندیوں کے لیے الگ شہر بسائے جا رہے ہیں۔ ہندو مسلمان سب ساتھ بود و باش کر رہے ہیں۔ اخبار و رسائل روزانہ کی زندگی ہے۔ ریڈیو جزو لاینفک ہے۔ سینما کوئی عیب نہیں ہے۔ اس اثر میں مسلمان نسل میں اسلام اور دوسرے مذاہب سے فرق اٹھتا جاتا ہے۔ سب مذاہب میں برابر ہیں۔ صرف اسلام ہی سچا مذہب نہیں ہے۔ آخرت کی نجات اور قبولیتِ اعمال کے لئے صرف اسلام شرط نہیں ہے۔ مسلمان عورت اپنا لباس بدل چکی ہے۔ تنگ و باریک نیم عریاں لباس عام ہو رہا ہے۔ محفلِ رقص و سرود میں شرکت انتخاب حسینہ اور خوبصورتی لباس میں شرکت مسلمانوں میں عام ہو رہی ہے، اور ان باتوں کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔ اپنا شوہر خود پسند کرتی ہے۔

بلکہ تلاش کرنا شروع کر دیا ہے۔ نکاح سے پہلے منگیتر کے ساتھ آزادانہ اختلاط عام ہو رہا ہے۔ روک تھام بسا اوقات منگنی ٹوٹنے کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہنی مون (شب وصال) گھروں کے بجائے ہوٹلوں میں ہو رہا ہے۔ اس سے زیادہ یہ ہے کہ ہندی مسلمان اپنا سورتی، میمن، سیدیت، حیدرآبادیت و قبائلیت تو کھو چکا ہے۔ لیکن اب مسلمان لڑکے لڑکیاں ہندو مسلمان کا فرق بھی اٹھا رہی ہیں۔ بہت سے مسلمان لڑکے لڑکیاں ہندو لڑکا لڑکی پسند کرتی ہیں اور ہندو بن کر ہندو مذہب کے موافق نکاح کرتی ہیں یا گورنمنٹ کے قانون کے موافق نکاح رجسٹرڈ کرا لیتی ہیں یا بغیر نکاح کے ایسے ہی ساتھ رہتے ہیں۔ ماں باپ اور قوم کی ناراضگی اور احتجاج بے سود ہوتا ہے۔ پسند کی عورت اور نکاحی زندگی مغربیت میں تبدیل ہو رہی ہے سود کا لین دین عام ہے۔ خودکشی بڑھ رہی ہے۔ گھوڑ دوڑ عام ہے۔ شراب نوشی اور عام ہو رہی ہے اور اس کی تجارت کا پروانہ بھی ہندی کو مل رہا ہے۔ الغرض معاشرہ مغربیت میں تبدیل ہو رہا ہے۔ یہ حالات صرف جنوبی افریقہ کے نہیں ہیں بلکہ ہر اس ملک کے ہیں جہاں مسلمان یورپین قوموں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ چنانچہ مغربی جزائر میں ایک مسلمان اپنے مہمان سے تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ میرے بہنوئی مسٹر نائیڈو ہیں۔ دینی تعلیم کی کتابیں انگلش میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ عقل و نقل کی روشنی میں انگلش میں کتابیں شائع کی جائیں۔ کہ اسلام کیسا مذہب ہے؟ دوسرے مذاہب سے کیا تعلق ہے؟ اسلامی تہذیب کلچر معاشرہ کیا ہے؟ مسلمان دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ کہاں تک مخالطت کر سکتا ہے؟ غیر مسلموں کو اپنے گھر لانا۔ ان کے گھر جانا کیسا ہے؟ غیر مسلموں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم کیا ہے؟ مسلم عورت کا ستر کیا ہے؟ لباس کیا ہے؟ سینما، رقص و سرود، انتخاب حسینہ میں شرکت، نکاح سے پہلے منگیتر کا حکم و اسلامی اخلاق تہذیب معاشرہ کیا ہے؟ مغربی تہذیب کے مطابق محبت کرنے کے بعد نکاح کرنا کیسا ہے؟ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں کیا فرق ہے؟ یہ تمام امور وضاحت کے ساتھ رازی و غزالی کے انداز فلسفی میں تفصیل سے بیان کئے جائیں۔

بعض با اثر صاحب خیر کتاب کو انگریزی میں ترجمہ کرا کر چھپوا کر ثانوی درجہ کے نصاب میں شامل کرانا چاہتے ہیں۔ اس عظیم الشان تبلیغی خدمت کی طرف ارباب علم و فضل، اہل فہم و فراست، صاحب تحقیق و بصیرت حضرات کو دعوت دی جاتی ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

بشکریہ ماہنامہ 'برہان' دہلی۔ جولائی ۱۹۷۲ء

مقالات

سید صدیق حسن مرحوم

جمع و تدوینِ قرآن

قرآن کریم کا ورد تو آپ نے بارہا کیا ہوگا، مگر معلوم نہیں آپ کی نظر کبھی اس طرف بھی گئی یا نہیں کہ سورۂ مومنون کی آیت نمبر ۱۰۸ میں لفظ "قال" "قاف" "الف" "لام" سے "قال" کی شکل میں لکھا ہوا ہے۔ دو ہی چار آیتوں کے بعد یعنی آیات نمبر (۱۱۲) اور ۱۱۴ میں یہی لفظ "قاف ممدودہ" اور "لام" سے "قٰل" کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن اس سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے مسلمانوں نے اس کے تحفظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ اس کے رسم الخط تک میں کسی تبدیلی کو جائز نہیں رکھا۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں گو قرآن کے رسم الخط میں بعض الفاظ خلاف قیاس لکھے گئے ہیں لیکن اس سے کوئی خرابی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان الفاظ کا تلفظ سب جانتے ہیں، اور یہ مسلمانوں کا کمال تحفظ ہے کہ اس کے باوجود کہ ان چند الفاظ کا رسم الخط درست کر دینے میں کوئی نقصان نہ تھا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اور جس طرح صحابۂ کرام کا لکھا ہوا پایا اسی طرح اور بالکل اسی طرح آئندہ نسلوں کو پہنچاتے گئے۔[1]

قرآن کریم کے قدیم سے قدیم نسخے جو اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں وہ عہد عثمانی کے ہیں، یہ نسخے فاس (دارالخلافہ مراکش)، دمشق، مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ میں موجود ہیں، یہ سب نسخے اور موجودہ متداول قرآنی نسخے بعینہٖ و بجنسہٖ ایک سے ہیں، سرمو فرق نہیں، اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

> "جس رسم الخط کے مطابق یہ (عہد عثمانی کے) مصاحف لکھے گئے، اب تک برابر اسی طرح لوگ قرآن کو لکھتے چلے آئے ہیں، سرمو فرق نہیں، صرف پہلے آیت کے ختم کا نشان تین نقطوں (∴) سے ظاہر کرتے تھے اب اس کی جگہ ایک گول دائرہ (○) بناتے ہیں۔ (تاریخ القرآن)

اس سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ عہد عثمانی میں جس طرح قرآن کو لکھا گیا تھا. بالکل اسی

---

[1] تاریخ القرآن از اسلم جیراجپوری، مطبوعہ مفید عام پریس علی گڑھ ۱۹۲۶ء ص ۵۳

طرح اُمّتِ مسلمہ آج تک اس کو لکھتی چلی جاتی ہے۔ اس نے نہ تو "خلاف قیاس" لکھے ہوئے الفاظ کے رسم الخط میں کوئی تبدیلی کی اور نہ ترتیب آیات وسور میں، ظاہر ہے کہ جو امّت رسم الخط میں بھی اس لیے اصلاح پسند نہ کر سکی کہ مجوزہ رسم الخط صحابہؓ کے رسم الخط کے مطابق نہ تھا وہ ترتیب آیات وسوَر کیسے بدل سکتی تھی۔

غور کیجئے تو یہ ایک سلبی شہادت ہے جس کا سلسلہ عہد عثمانی تک ہی پہنچتا ہے، اس وقت تک جو پرانے سے پرانے نسخے ملے ہیں وہ عہد عثمانی کے پہلے کے نہیں ہیں، اس لیے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عہد عثمانی سے پہلے قرآن کی کتابت کی کیا ہیئت تھی، یہ ایک بڑا خلا ہے،۔

اس نتیجہ کی بنیاد اس استدلال پر ہے کہ چونکہ دریافت شدہ مصاحف میں اور آج کے مصاحف میں ترتیب وتدوین، حتیٰ کہ رسم الخط تک بعینہٖ ایک ہے، اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عہد عثمانی سے پہلے بھی اس کے علاوہ کوئی اور رسم الخط یا کوئی اور ترتیب کلام الٰہی کی نہ تھی۔ گو شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے عہد عثمانی میں مصاحف کے ان نسخوں کو جو نسخۂ عثمانی کے مطابق نہ تھے اس طرح ضائع کر دیا گیا کہ اب اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔

مگر اس سے کوئی ایجابی ثبوت اس بات کا نہیں ملتا کہ آج جو قرآن بین الدفتین ہمارے پاس ہے وہ بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے وہی ہے جو امّت کے لیے رسالت پناہؐ نے آخری بار مرتب فرمایا تھا، بلکہ بعض روایتیں ایسی ملتی ہیں جن پر سطحی نظر ڈالنے سے اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے متن میں کوئی کمی بیشی نہ ہوئی ہو لیکن کم از کم ترتیبِ سور وہ نہیں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمنت مہد میں تھی۔

یہ محض واہمہ نہیں بلکہ سلف میں بھی ایسے بزرگ گذرے ہیں جن کی دیانت داری کے ساتھ یہ رائے تھی کہ موجودہ ترتیبِ سور توقیفی نہیں، بلکہ اس کام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امّت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

اس خیال کی تائید میں وہ تمام روایتیں آتی ہیں جن میں صحابۂ کرامؓ کے مختلف مصاحف کی ترتیب جدا جدا بتائی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے مصاحف کی ترتیب تو تفصیل کے ساتھ معلوم ہے، بلکہ بعض مصاحف کی سورتوں کی تعداد بھی مختلف بتائی جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق تو بڑے شد ومد سے کہا جاتا ہے کہ آپ کے مصحف میں معوذتین نہ تھیں، اور عیاذاً باللہ آپ انہیں جزوِ قرآن ہی نہ سمجھتے تھے، اور اس میں آپ کو اس قدر شدت

تھی کہ اگر ان کو قرآن میں کوئی لکھ دیتا تھا تو اسے "حک" کر دیتے تھے، چھیل ڈالتے تھے، وہ انفال اور برأت کو علیحدہ سورتیں نہ مانتے تھے، سورۂ فاتحہ کو قرآن سے الگ ایک دعا تصور کرتے تھے، اس طرح ان کے مصحف میں ۱۱۴ سورتوں کے بجائے ۱۱۱ سورتیں تھیں،

حضرت ابی بن کعبؓ کے مصحف میں ۱۱۴ کے اوپر دو سورتیں اور تھیں، جو جمہور کے نزدیک قنوت کی دعائیں ہیں، اور قرآن سے الگ ہیں۔

ان دونوں بزرگوں کے مصاحف میں ترتیب سور بھی موجودہ ترتیب سے مختلف تھی۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقال القاضی عیاض فی شرح حدیث حذیفة ان النبیؐ قرأ فی صلوته فی اللیل بسورة النساء قبل سورة آل عمران هو کذلک فی مصحف ابی بن کعبؓ وفیه حجة لمن یقول ان ترتیب السور اجتهاد ولیس بتوقیف من النبیؐ وهو قول جمهور العلماء واختاره القاضی الباقلانی قال وترتیب السور لیس بواجب فی التلاوة ولا فی الصلوٰة ولا فی الدرس ولا فی التعلیم فلذلک اختلفت المصاحف فلما کتب مصحف عثمان رتبوه علی ما هو علیه الآن، فلذلک اختلف ترتیب مصاحف الصحابة[1]

قاضی عیاض حضرت حذیفہؓ والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ آل عمران سے پہلے سورۂ نساء کو رات کی نماز میں پڑھا ہے، اور ایسا ہی مصحف ابی بن کعبؓ میں بھی ہے، اور یہ بات ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیفی نہیں ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اسی کو باقلانی نے بھی اختیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ سورتوں کی ترتیب نہ تلاوت میں واجب ہے نہ ہی نماز میں، اور نہ تدریس و تعلیم میں، اسی بنا پر مصاحف مختلف ہو گئے ہیں، جب مصحف عثمانی لکھا گیا تو اس کو اس شکل میں مرتب کر دیا جو اس وقت موجود ہے، اسی بنا پر صحابۂ کرامؓ کے مصاحف کی ترتیب میں بھی خاصا اختلاف ہو گیا،

[1] فتح الباری شرح بخاری مطبوعہ مصر ج ۹ ص ۳۶

فتح الباری کی اوپر والی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "جمہور علماء" کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کی ترتیب نہیں فرمائی تھی۔

جمہور علماء کا بھی سہی مگر کم سے کم ایک گروہ کا اس کے خلاف یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کی آیات وسورتوں کی ترتیب وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

مگر عقیدہ اور ایمان اپنی جگہ پر کتنا ہی اہم سہی لیکن اس بات کی کوئی عقلی یا نقلی شہادت نہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ایمان وعقیدہ سے صرف نظر کر کے اس کی عقلی اور نقلی شہادتوں پر غور کر لیا جائے۔

ترتیب قرآن کے دو پہلو ہیں: (۱) ترتیب آیات سور میں (۲) ترتیب سور مصحف میں۔

ان پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو سے پہلے بہتر ہوگا کہ دو ایک تاریخی مسلمات ذہن نشین کر لیے جائیں۔

(۱) قرآن بتدریج ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا

(۲) آخری آیت کے نزول کے نو (۹) دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۱۱ھ میں ہوا۔

(۳) جنگ یمامہ (۱۲ھ) کے لگ بھگ ہوئی،

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیرۃ العرب کے بیشتر حصہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔

اس تاریخی حقیقت پر سب متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں لکھنا بہت ہی محدود لوگوں کو آتا تھا، بعض مؤرخوں نے مسلمان لکھنے والوں کی تعداد بھی مقرر کرنے کی کوشش کی ہے، ممکن ہے کہ یہ تعداد تاریخی طور پر ثابت نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے، ان کا فدیہ لڑکوں کو لکھنا سکھا دینا ہی قرار دیا گیا تھا، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس زمانہ میں صرف خال خال لوگ لکھنا جانتے تھے،

اس کے علاوہ آج تک یہ عربوں کی سرشت میں داخل ہے کہ وہ اپنی قوت حافظہ پر نہ صرف بھروسہ بلکہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں، پچھلے دنوں کی بات ہے، میں ڈھاکہ میں تھا، وہاں ایک نوجوان عرب سے ملاقات ہوئی جو جدہ ریڈیو کے افسر نشریات ہیں۔ رسمی تعارف کے بعد انہوں نے مجھے یاد دلایا کہ میں ان سے حج کے دوران (۱۹۵۸ء) میں ملا تھا، یہ تو خیر کوئی ایسی بات نہ تھی، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں نے جدہ ریڈیو سے ایک گفتگو نشر کی تھی، یہاں تک بھی غنیمت تھا، مگر جب انہوں نے گفتگو کی تفصیل مجھے بتانی شروع کی اور میری یاد نے اس کی تصدیق کی تو میں ان کی قوت حافظہ پر متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، آپ خیال کیجئے کہ حج کے زمانہ میں کتنی ہماہمی ہوتی ہے، اولاً تو حج کا پروگرام بہت زیادہ نشر ہوتا ہے، پھر حکومت کے امراء وغیرہ کی تقریریں اور پیام نشر ہوتے ہیں، پھر باہر سے آنے والوں کی خاصی تعداد ایسی ہوتی ہے جن کے تاثرات نشر کیے جاتے

ہیں، اس پروگرام کے "جنگل" میں ایک معمولی تقریر کو یاد رکھنا، اور وہ بھی جب تین سال کا زمانہ گذر چکا ہو اور جب تقریر کرنے والے سے اس کے دیس میں نہیں بلکہ پردیس میں ملاقات ہو، اور اس کی تقریر کی تفصیل پیش کر دی جائے تو، یہ کوئی معمولی بات نہیں ۔

یہ واقعہ تو اس زمانہ کا ہے جب لکھنے پڑھنے کی اتنی فراوانی ہے کہ اب کسی چیز کو حافظہ میں محفوظ رکھنا بالکل ضروری نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو پڑھے لکھے بہت کم تھے، خاص خاص چیزوں کو چھوڑ کر آپس کا لین دین تک بس زبانی معاہدوں ہی کی شکل میں ہوتا تھا، اسی بنا پر یہ ہدایت فرمائی گئی تھی ۔

اذا تداینتم بدینٍ الی اجلٍ — اگر ادھار کا معاملہ ایک مدت معینہ کے لیے

مسمًّی فاکتبوہ — کرو تو اسے لکھ لیا کرو ۔

ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے لوگ لکھ لینے کے عادی ہوتے تو اس ہدایت کی ضرورت نہ تھی، اس زمانہ میں تو سارا دارومدار یادداشت پر تھا، عام طور پر عرب اس پر بڑا فخر کرتا تھا کہ اسے فلاں فلاں اقوال، قصیدے، شجرے، زبانی یاد ہیں، پشتہا پشت کے لمبے لمبے شجرے انہیں برزبان رہتے تھے، انسانوں ہی کے نہیں، اونٹوں اور گھوڑوں تک کے، ان کے بڑے بڑے میلے گویا اس قوت یادداشت کے ٹورنامنٹ ہوتے تھے، لوگ قصیدے سناتے، انساب بیان کرتے، بزرگوں کے کارنامے دہراتے، کسی بات کو لکھ کر کتاب کی شکل میں محفوظ کرنا قوت حافظ کی کمزوری سمجھا جاتا تھا۔

تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ ہی میں جب کہ مسلمان بے بس اور بہت ہی قلیل تعداد میں تھے، قرآن کی جو آیات نازل ہوتیں، ان کو لوگ یاد تو کر ہی لیتے مگر کچھ لوگ لکھ بھی لیتے ۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا واقعہ اس سلسلہ میں مشہور ہے کہ آپ نے سورۂ طٰہٰ کی آیتیں اپنی بہن کے یہاں لکھی دیکھی تھیں، سر ولیم میور لکھتے ہیں :۔

> "اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی تحریری نقلیں جن میں قرآن شامل تھا۔ مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی حیات (طیبہ) میں لکھ دی تھیں ـــــــ اگر اس قدیم زمانہ (حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے وقت) میں قرآن کی آیتیں لکھ لی جاتی تھیں، اور عام تھیں، درآنحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے اس سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لیے شریعت قرار پائی تو اس وقت قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے ۔"

سر ولیم میور کی تو یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تک قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے، لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مکمل اور مرتب قرآن بھی بہت سے صحابہ کے پاس

موجود تھا، بلکہ بخاری کی ایک روایت سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ صرف چار بزرگوار ایسے تھے جن کے پاس پورا قرآن تھا، بقیہ کے پاس پورا قرآن نہ تھا بلکہ اس کے متفرق اجزاء تھے، اس روایت کا متعلقہ ٹکڑا حسب ذیل ہے۔

مات نبی ولم یجمع القرآن غیر اربعة، ابوالدرداء معاذ بن جبل و زیدؓ بن ثابت و ابوزیدؓ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا لیکن چار حضرات کے سوا کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا تھا، یہ ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ زیدؓ بن ثابت اور ابوزیدؓ تھے،

اس روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ یہ جو چار نسخے کلام مجید کے تھے، ان کی ترتیب کیسی تھی، اتقان میں زیدؓ بن ثابت کی زہری کے توسط سے یہ روایت ملتی ہے۔

قال الدیر عاقولی فی فوائده حدثنا ابراهیم بن بشار ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن زید بن ثابت قال قبض النبی ولم یجمع القرآن فی شئ	دیر عاقولی اپنے فوائد میں لکھتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن بشار نے اور ان سے سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالے سے بیان کیا اور وہ زیدؓ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا مگر قرآن کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔

اس روایت کے سلسلے میں سیوطی لکھتے ہیں :-

(قال) الخطابی انما لم یجمع صلی الله علیه وسلم القرآن فی المصحف لما کان یترقبه من ورود ناسخ لبعض احکامه او تلاوته فلما انقضی نزوله بوفاته الهم الله الخلفاء الراشدین ذالك ۔	خطابی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے قرآن کو مصحف میں اس وجہ سے جمع نہیں کیا تھا کہ آپ کو انتظار تھا کہ مبادا بعض احکام منسوخ ہو جائیں یا بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو جائے، اس لیے جب آپ کی وفات کے بعد نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہوگیا تو اللہ تعالٰے نے خلفائے راشدین کے قلب میں یہ بات ڈال دی۔

ابوسعید خدری کی حدیث کے بارہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں :

واما ما اخرجه مسلم من حدیث	رہی وہ روایت جو کہ امام مسلم نے ابی سعیدؓ کی

ابی سعید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لاتکتبوا عنی شیئًا غیر القرآن ۔ منا فیا فی ذلک لان الکلام فی کتابۃ مخصوصۃ علی صفۃ مخصوصۃ وقد کان القرآن کتب کلہ فی عھد رسول اللّٰہؐ لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور	حدیث کے سلسلے میں نقل کی ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "مجھ سے بجز قرآن کے کوئی اور چیز نہ لکھا کرو، تو یہ اس کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ بحث تو ایک مخصوص کتابت اور خاص صفت کے ساتھ لکھنے کے متعلق ہے اور قرآن مجید پورے کا پورا رسولِ اکرمؐ کے عہد مبارک میں لکھا جا چکا، البتہ ایک جگہ جمع نہیں تھا اور نہ سورتوں کی ترتیب تھی۔

حاکم نے مستدرک میں تین مرتبہ "جمع قرآن" کا تذکرہ کیا ہے، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں، دوسرے حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں اور تیسرے حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں۔

وقال الحاکم فی المستدرک جمع القرآن ثلاث مرات (احدھا) بحضرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم اخرج السنن علی شرط الشیخین عن زید ابن ثابت قال کنا عند رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) نؤلف القرآن من الرقاع الحدیث (قال) البیھقی یشبہ ان یکون المراد بہ تألیف ما نزل من الآیات المتفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ النبی (الثانیۃ) بحضرۃ ابی بکر ۔	حاکم مستدرک میں کہتے ہیں، قرآن کی جمع و تدوین تین مرتبہ ہوئی، ایک نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں، پھر حاکم امام بخاری و مسلم کی شرط پر حدیث کا استخراج کرتے ہوئے زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم کے عہد مبارک میں رقاع سے قرآن کو جمع کرتے تھے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ تالیف سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ جو متفرق و منتشر آیتیں نازل ہوتی تھیں انہیں آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق سورتوں میں جمع کر دیتے اور دوسری مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں ۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

(واخرج) ابن ابی داؤد من طریق هشام بن عروة عن ابیه ان ابابکرؓ قال لعمر ولزید اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاهدین علی شئ من کتاب الله فاکتباه (قال) السخاوی فی جمال القراء المراد انهما یشهدان علی ان ذالک المکتوب کتب بین یدی رسول اللهؐ (قال) ابوشامة وکان غرضهم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی رسول الله لا من مجرد الحفظ قال ولذالک قال فی آخر سورة التوبة لم اجدها مع غیره ای لم اجدها مکتوبة مع غیره لانه کان لا یکتفی بالحفظ دون الکتابة

ابن ابوداؤد ہشام بن عروہ عن ابیہ کے واسطوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ اور زیدؓ سے فرمایا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص تم دونوں کے پاس کتاب اللہ کی کسی آیت کے متعلق دو شاہدوں کو پیش کرے اسے لکھ لیا کرو، حافظ سخاوی جمال القرآء میں فرماتے ہیں کہ اس شہادت سے مراد یہ ہے کہ وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ مکتوب آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ ابوشامہ کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ صرف وہی چیزیں اور بعینہٖ اسی طریقہ سے لکھی جائیں جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے لکھی گئی تھیں، صرف حافظہ کے بھروسے پر نہ لکھا جائے، اسی بنا پر کہا کہ میں نے سورہ توبہ کے آخری حصّہ کو اس کے علاوہ نہیں پایا یعنی میں نے اس کو کسی اور سورہ کے ساتھ لکھا ہوا نہیں پایا، اس لئے کہ صرف یاد کرنا ہی کافی نہ تھا بلکہ لکھنا بھی ضروری تھا۔

(الرقاع جمع رقعة - وقد تکونؐ[1] من جلد او ورق او کاغذ)

رقاع رقعۃ کی جمع ہے جو کسی پتلے چمڑے یا کاغذ کا ہوتا،

حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کے متعلق جو روایت اس سلسلہ میں ابن اشتہ کی ہے، اس کا

---

[1] اتقان مطبوعہ مصر باب نوع ثانی عشر فی جمعہ وترتیبہ ص ۶۰ ج

متعلقہ ٹکڑا یہ ہے۔

فاجتمعوا فکتبوا فکانوا اذا اختلفوا وتدارؤا فی آیۃ قالوا ھذہ اقرأھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلانا فیرسل الیہ وھو علی راس ثلاث من المدینۃ فیقال لہ کیف اقرأک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ کذا وکذا، فیقول کذا وکذا فیکتبونھا

پس وہ لوگ جمع ہوئے اور قرآن کو لکھا، جب ان میں کسی آیت کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو کہتے کہ اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں شخص کو پڑھایا ہے، تو اسے بلا بھیجتے اور وہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر رہتا تھا، اس سے پوچھا جاتا کہ تم کو رسول اللہؐ نے فلاں فلاں آیت کو کس طرح پڑھایا ہے، وہ جس طرح بتاتا، اسی طرح لکھ لیتے۔

قال البغوی فی شرح السنۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقن اصحابہ ویعلمھم ما نزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ھو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل ایاہ علی ذلک

بغوی شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ صحابہ کرام کو اس کی تلقین کرتے اور اسی ترتیب کے مطابق انکی تعلیم دیتے جس ترتیب کے مطابق اس وقت ہمارے مصاحف میں موجود ہے اور وہ حضرت جبریلؑ کی جانب سے توقیفی ہے۔

(وقال) الکرمانی فی البرھان وکان آخر الآیات نزولاً "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" فامرہ جبریل ان یضعھا بین آیتی الربا والدین [1]

کرمانی برہان میں کہتے ہیں، نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ " واتقوا یومًا ترجعون فیہ الی اللہ" ہے، آپ کو جبرئیل نے بتایا کہ اس آیت کو الرباؑ اور الدین کی آیتوں کے وسط میں رکھیں۔

[1] اتقان مطبوعہ مصر باب نوع ثانی عشر فی جمعہ وترتیبہ ص ۶۰

ایک دوسری روایت میں ہے:

(وقال البیھقی فی المدخل) کان القرآن علی عھد النبیؐ مرتبا سورۃ وآیاتہ علی ھذا الترتیب الا الانفال والبرأۃ

بیہقی مدخل میں کہتے ہیں کہ قرآن کریم نبی کریمؐ کے عہد مبارک میں موجودہ ترتیب کے مطابق سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے ساتھ مرتب تھا بجز انفال وبرأت کے۔

اسی طرح ابوجعفر النحاس کہتے ہیں کہ

ان تالیف السور علی ھذا الترتیب لحدیث واثلۃ (وقال) ابن الحصار ترتیب السور ووضع الآیات موضعھا انما کان بالوحی

سورتوں کی تالیف اس ترتیب کے ساتھ واثلہ کی روایت سے ثابت ہوتی ہے، ابن الحصار کہتے ہیں سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کو ان کی جگہ پر رکھنا وحی کے ذریعہ سے تھا۔

سیوطی کا خود رجحان انکے الفاظ میں یہ ہے:

ان جمیع السور ترتیبھا توقیفی الا براءۃ والانفال [1]

کل سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، بجز سورہ برأۃ اور انفال کے،

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے عبداللطیف رحمانی لکھتے ہیں [2]

علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔

فاما من حفظہ کلہ منھم وعرض علی النبی فجماعۃ من نجباء اصحاب محمدؐ اعتدوا لاقرائہ ... وکان سبعۃ ائمۃ اعلام دارت علیھم اسانید القرآن۔

جن لوگوں نے کل کلام پاک حفظ کرلیا تھا اور اس کو انہوں نے نبی اکرمؐ کے سامنے پیش کیا وہ رسول اکرمؐ کے ممتاز اصحاب کی ایک جماعت ہے اس نے اپنے کو قرأت کے لیے مخصوص کرلیا تھا، ان میں سات نامور شخصیتیں تھیں جن کے گرد قرآن کی سند گھومتی ہے۔

یعنی صحابہ میں جن کو پورا قرآن یاد تھا اور آنحضرتؐ کو بھی انہوں نے تمام سنایا تھا، وہ جلیل القدر صحابہؓ کی ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن کو پڑھاتی تھی، منجملہ انہیں کے قراء سبعہ بھی ہیں،

آگے چل کر لکھتے ہیں،

"علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی جلد ۲ ص ۱۱۲ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کئے جنہوں نے

[1] اتقان مطبوعہ مصر باب نوع ثانی عشر فی جمعہ وترتیبہ ص ۶۰ [2] تاریخ القرآن ص ۴۶ تا ۴۷

آنحضرتؐ کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا۔"

اس کے بعد طبقات کی وہ پوری عبارت نقل کی ہے جس میں دس اصحاب کرام کے نام ہیں، آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں حفاظ کا چار سے زیادہ ہونا ایسا یقینی اور مضبوط امر ہے جس میں کسی قسم کے احتمال اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں [1]

شاہ معین الدین لکھتے ہیں۔ [2]

"صحابۂ کرام میں بہت سے بزرگ ایسے تھے جنہوں نے پورا کلام مجید جمع اور حفظ کیا تھا۔"

پھر بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

بخاری کے اسی باب کی دوسری روایت میں ابی بن کعبؓ کے بجائے حضرت ابو درداءؓ کا نام ہے، کنز العمال میں طبرانی اور مستدرک کے حوالہ سے جامعین قرآن میں ایک نام سعید بن عبید کا بھی ہے، ان میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ کے پورے قرآن کی جمع و تدوین تو تاریخی مسلمات میں ہے۔ ان بزرگوں کے مرتب کردہ مصاحف مدتوں موجود رہے، ممکن ہے کہ اب بھی ان کا کوئی نسخہ کہیں پایا جاتا ہو، ابن ندیم اور سیوطی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابی ابن کعبؓ کے مصاحف خود دیکھے تھے، اور فہرست و اتقان میں ان کی سورتوں کے نام اور ترتیب نقل کی ہے، ان میں اور موجودہ مصحف میں صرف یہ فرق ہے کہ ان مصاحف کے سورتوں کے بعض نام اور ترتیب مصحف عثمانی سے مختلف ہے ... حضرت علیؓ کے مرتب کردہ قرآن کی ترتیب نزولی تھی۔"

اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں: [3]

مشہور حفاظ صحابہ جنہوں نے پورا قرآن یاد کیا اور بہتوں نے لکھ بھی لیا تھا۔ (یہ ہیں)

مہاجرین میں: خلفائے اربعہؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالمؓ مولی حذیفہؓ، ابوہریرہؓ عبداللہ ابن سائب، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عائشہ صدیقہؓ، حفصہؓ، ام سلمیٰؓ

اور انصار میں: عبادہ ابن الصامتؓ، ابوحلیمہؓ، مجمع ابن جاریہؓ، (دو سورتیں کم) فضالہ بن عبیدؓ مسلمہ بن مخلدؓ، تمیم داریؓ، عرضبہ بن عامر، ابوموسیٰ اشعریؓ۔

ان سب روایتوں پر بیک وقت نظر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاں تک پورے قرآن کے زبانی

---

[1] تاریخ القرآن ص ۴۸ - [2] ماہنامہ صبح صادق، ۱۹۵۸ء قرآن نمبر ص ۱۴۲ [3] تاریخ القرآن ص ۵۰

یاد کر لینے کا تعلق ہے، چار سے بہت زیادہ صحابہ کرامؓ کو یہ شرف حاصل تھا، بخاری کی جو روایت ہے اس میں "جمع قرآن" سے مطلب قرآن کو کتابی شکل میں لکھ کر جمع کر لینا معلوم ہوتا ہے۔

خود بخاری ہی میں ایک روایت ہے جس میں چار کے علاوہ پانچواں نام بھی ہے، اگر "جمع قرآن" سے حفظِ قرآن مراد ہوتا تو اور جو دوسری روایتیں ملتی ہیں ان کو چھوڑ دینے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، اس لئے یہ نتیجہ بعید از قیاس نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں چار سے زائد صحابۂ کرام نے پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، اور کم از کم چار بزرگ ایسے تھے، جن کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا، لیکن ان تمام روایات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پورا قرآن اسی ترتیب سے جمع ہو گیا تھا، جیسا کہ اب ہے۔

اس پہلو سے غور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جنگ یمامہ کے بعد جو ۱۲ھ کے قریب ہوئی، قرآن مجید کو اسی ترتیب سے مدون کر دیا تھا، جیسا کہ اب ہے، اور جو شہادت ترتیب قرآن کی ۱۲ھ کے بعد کی ہے، وہ اس امر کو ثابت نہیں کرتی کہ ۱۱ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا، ترتیب قرآن وہی تھی جو ۱۲ھ میں زید بن ثابتؓ کی ترتیب تھی۔

دوسری بات ذہن میں رکھنے کی یہ ہے کہ قرآن مجید بتدریج ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا ہے، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھا دیا کرتے تھے، صحابہ کو یاد کرا دیتے اور ان سے سن بھی لیتے تھے، اس سے بھی اہم یہ ہے کہ اس آیت کا مقام آپ متعین فرما دیتے تھے، اور چونکہ یہ مقام وحی سے متعین ہوتا تھا، اس لیے اس کا کوئی ظاہری قاعدہ نہیں تھا، ایسا نہیں تھا کہ جو آیت آج نازل ہوئی ہے، وہ کل والی آیت کے بعد رکھی جائے۔ یہ بھی نہیں تھا کہ نفس مضمون کے تعین سے کسی دوسری ہم مضمون آیت کے ساتھ اوّل یا بعد لکھی جائے، یہ بھی نہیں تھا کہ آیت اپنے قد و قامت کے لحاظ سے جگہ پاتی ہو، بلکہ ہر آیت کا ایک الہامی ربط اور ایک الہامی مقام ہوتا تھا، جس کی رو سے وہ آیت بالکل اسی جگہ چسپاں ہو سکتی تھی، ممکن ہے سطحی نظر سے وہ ربط اور تسلسل نظر نہ آتا ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا کوئی طریقہ کار متعین نہیں تھا، یہ بھی ضروری نہیں کہ چونکہ شارع علیہ السلام نے اس کا نظام عمل لوگوں کو بتایا نہیں اس لیے سرے سے اس کا کوئی نظام ہی نہ رہا ہو، اس میں شک نہیں کہ سرسری نگاہ میں وہ باریک اور بلند نظام نظر نہیں آتا، مگر جن لوگوں نے اس میں چھان بین کی ہے وہ اس نتیجہ پر بدلائل قوی پہنچے ہیں کہ قرآن کی ترتیب کا ایک خاص نظام ہے، اسی کے ماتحت اس کی ترتیب عمل میں آئی ہے۔

بہر حال یہ ایک علیحدہ بحث ہے، جس پہ انشاء اللہ بعد میں روشنی ڈالی جائے گی، فی الحال موجودہ بحث کو تین مقدمات میں تقسیم کر لیجئے۔

(۱) کیا آیات کی ترتیب سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی تھی۔

(۲) کیا مختلف سورتوں کا تعین خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(۳) کیا سورتوں کا باہمی نظم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

جہاں تک مقدمۂ اولیٰ کا تعلق ہے، اس کے متعلق اتنی احادیث صحیحہ ہیں کہ تمام علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے مطابق فرمائی تھی۔

شاہ معین الدین ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں[1]:

"اس پر اجماع ہے اور یہ نصوص متواترہ سے ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب بغیر کسی شک و شبہ کے توقیفی ہے، اس کو بہت سے علما نے نقل کیا ہے، زرکشی نے برہان میں اور ابوجعفر بن زبیر نے مناسبات میں لکھا ہے کہ آیات کی ترتیب سورتوں میں رسول اللہؐ کی توقیف اور حکم کے مطابق ہوئی، اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔"

قاضی ابوبکر نے الانتصار میں لکھا ہے کہ آیات کی ترتیب واجب اور حکم لازم ہے، آنحضرت صلعم کو حضرت جبرئیلؑ بتاتے تھے کہ فلاں آیت فلاں مقام پر رکھی جائے،

اس کے متعلق اس کثرت سے احادیث ہیں کہ سب کو نقل کرنا طویل ہوگا، صرف تین حدیثیں بطور نمونہ یہاں لکھی جاتی ہیں:

(۱) قال عثمان کان رسول اللہ مما یاتی علیہ الزمان و ھو ینزل علیہ السور ذوات العدد فکان اذا نزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھولاء الایات فی سورۃ التی یذکر فیھا	حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں (یعنی مختلف سورتوں کی آیات) بیک وقت نازل ہوتی تھیں، جب ایسی صورت ہوتی تھی تو آپ ان لوگوں کو جو لکھنا جانتے تھے بلاتے اور فرماتے کہ ان آیتوں کو

[1] صبح صادق قرآن نمبر ۱۹۶۸ء

كذا وكذا فاذا انزلت عليه الأية فيقول ضعوا هذه الأيه في سورة يذكر فيها.

فلاں فلاں سورہ میں اس اس جگہ رکھو، اور جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس آیت کو اس سورہ میں رکھو جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہوتا۔

(۲) دوسری حدیث مسند ابن حنبل میں عثمان ابن ابی العاص سے مروی ہے، جس کا متعلقہ ٹکڑا یہ ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتانی جبرئیل فامرنی ان اضع هذه الأية هذا الموضع من هذه السورة إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بالعدل والاحسان الخ

میرے پاس جبرئیل آئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو جو اسی موضوع سے متعلق ہے اس سورہ میں رکھو، وہ آیت یہ تھی، ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الخ

(۳) تیسری حدیث یہ ہے:

... لما نزلت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادع لی زیدا ولیجیئ باللوح والقلم والكتف او الكتف والدواة ثم قال اكتب لا يستوي[1]...

جب لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والجاھدون فی سبیل اللہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور قلم اور کتف اور دوات لے کر آئیں، پھر فرمایا کہ لکھو لا یستوی الخ

ان حدیثوں کو نظر میں رکھنے سے اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم وحی اس کا مقام متعین فرما دیتے، اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ آپ کسی کاتب وحی کو جو فوراً دستیاب ہوتا بلا کر لکھا دیتے، اس طرح کاتب وحی کے پاس اس وقت تک نازل شدہ قرآن کا نسخہ فراہم ہوتا جاتا۔

اس میں میں نے دو اہم باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) نزول وحی جس دم ختم ہو جاتا، اس کے معاً بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ قرآن

[1] بخاری ج ۲ مرتبہ تائب نقوی ۱۹۵۸ء اڈیشن ص ۹۴۸ باب ۴ حدیث نمبر ۱

کا جز لکھا دیتے۔

(۲) اس طرح تا آں وقت نازل شدہ قرآن کا ایک مکمل نسخہ کاتب وحی کے پاس مرتب ہو جاتا۔
پہلی گذارش کے متعلق مجمع الزوائد سے زید بن ثابت کی روایت پیش کی جا سکتی ہے، کہ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جب کیفیت وحی جاتی رہتی تو فکنت ادخل علیہ بقطعۃ الکتف.... فاکتب

اوپر لکھی ہوئی احادیث میں بخاری والی حدیث اس موضوع پر بہت صاف ہے، کہ کیفیت وحی ختم ہوتے ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے زید بن ثابت کو بلانے کا حکم دیا، بلکہ اس کا آخری ٹکڑا جو ابن ام مکتوم سے متعلق ہے، اس سے تو یہاں تک ترشح ہوتا ہے کہ نزولِ وحی کے بعد اس قدر جلد اس کی کتابت کرادی جاتی کہ اس کے درمیان میں اتنا وقفہ بھی نہیں گذرتا تھا کہ کسی اور تک وہ آیت پہنچ سکے یا اسے سنائی جائے۔

ان احادیث کی تائید میں سب سے بڑی دلیل خود قرآن کریم میں ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتقاضائے فرض نبوت اس کی بڑی جلدی رہتی تھی کہ جیسے ہی وحی نازل ہو آپ اسے محفوظ فرمالیں، اس ذہنی کیفیت کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ	نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ
بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ	جلدی اس کو سیکھ لے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو
(قیامہ-۱)	جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔

اس خط کشیدہ ٹکڑے پر غور فرمائیے، وحی نازل ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام زبان کو حرکت دے رہے ہیں اور اس کو یاد کرنے میں، "تعجیل" جلدی سے کام لے رہے ہیں، حدیث عثمانی پر غور کرتے وقت اس کیفیت کو سامنے رکھئے تو یہ بات بالیقین ثابت ہوتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم وحی ختم ہوتے ہی آیت یا سورہ متعلقہ کو لکھا دیتے تھے، جو کیفیت مبارکہ نزول وحی کے دوران میں اس نیت سے زبان کو حرکت دلاتی اور اس کو یاد رکھنے میں جلدی کرتی تھی کہ کہیں نازل شدہ قرآن کا خدانخواستہ کوئی شمہ رہ نہ جائے۔ کیا اس سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ نزول وحی کے بعد وہ اس بات میں توقف اور وہ بھی بلاضرورت توقف کرے گی کہ نازل شدہ آیت کو کسی اور موقع سے لکھا دیا جائے گا، اور یہ توقف کیوں کیا جاتا اس کی حاجت ہی کیا ہو سکتی تھی۔

دوسری بات جو میں نے عرض کرنے کی جسارت کی ہے، یہ ہے کہ اس طرح اس وقت تک نازل شدہ قرآن کا ایک پورا نسخہ کاتب وحی کے پاس مرتب ہوتا جاتا تھا۔

صحابۂ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو یاد اور قلمبند کر لینے میں اس قدر شغف اور انہماک تھا کہ آپؐ کو باصرار کہنا پڑا کہ " لا تکتبوا عنی غیر القرآن" مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھو"۔ اس سے یہ نتیجہ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ صحابہ کرامؓ " غیر قرآن" کو تو محض یاد کے حوالے کرتے تھے، مگر قرآن کو لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔

اس سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ صحابۂ کرام نے حدیثیں نہیں لکھیں، یہ ایک علیحدہ بحث ہے اور پیش نظر بحث سے اس کو کوئی تعلق نہیں، احادیث نبوی لکھی گئی ہوں یا نہ لکھی گئی ہوں قرآن شریف بہرحال لکھا گیا اور ضرور لکھا گیا، یہ اور بات ہے کہ لکھنا بہت تھوڑے لوگوں کو آتا تھا، اس لئے قرآن کے بہت سے نسخے نہ رائج ہوئے ہوں گے، لیکن یہ چیز بھی ہمارے موضوع بحث پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ پھر جو شخص بھی قرآن لکھ لیتا وہ اس کو ایک قیمتی خزانہ ہی نہیں بلکہ کونین کی دولت اور دارین کی فلاح کا سرمایہ سمجھتا تھا۔

یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ وہ متاع جو دنیاوی حیثیت سے ہی مرکز توجہ ہو سکتی ہو اسے تو انسان خاص حالات اور خاص صورتوں میں چھوڑ بھی سکتا ہے، ایک شخص بڑے چاؤ سے ایک محل تعمیر کراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اسے گراں قیمت پر علیحدہ بھی کر دے، اس کی تائید ان تمام خزانوں کی خرید و فروخت سے ہوتی ہے جو نوادر کہلاتے ہیں، بہتوں نے اپنے خاندانی نوادر" امریکی نو دولتیوں" کے حوالے کر دیئے۔ اگر جان کا سوال آجائے تو ایسی متاع کو" جان کا صدقہ مال" کہہ کر علیحدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن جس چیز سے خواہ وہ بظاہر کتنی ہی کم مایہ کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، انسان کو عشق ہو وہ اسے گراں سے گراں قیمت پر بھی علیحدہ کرنا پسند نہیں کرتا، اس پر جان عزیز تک قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے مگر اسے اپنے سے جدا نہیں کرتا، اور پھر جب یہ عشق شغف کے درجہ کو پہنچ جائے اور وہ بھی والہانہ اور اس کے ساتھ مذہبی جذبہ بھی شامل ہو تو دنیا کی کوئی ترغیب یا ترہیب اسے علیحدہ کر دینے اور اس سے غفلت برتنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔

صحابۂ کرامؓ کا قرآن مجید کے ساتھ شغف عدیم المثال ہے، اس لئے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جو حصہ بھی قرآن کا لکھا ہوا ان میں سے کسی کے پاس رہا ہوگا اس کو اس نے ضائع یا اس پر کسی اور کی دسترس گوارا کی ہوگی۔

ایک چھوٹا سا واقعہ مکی دور کا اس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے، حضرت عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر سن کر انتہائی غصہ کی حالت میں اپنی بہن کے یہاں پہنچتے ہیں اور مار پیٹ پر

اتر آتے ہیں، مگر جب وہ بہن سے لکھی ہوئی "وہ چیز" جسے وہ پڑھ رہی تھیں، مانگتے ہیں تو بہن جواب دیتی ہیں، تم اسے نہیں چھو سکتے یہ پاک صحیفہ ہے۔

غور کیجئے اس ذرا سے واقعہ میں کتنی بڑی داستان، کتنی اہم روئیداد، اس والہانہ شوق، اس عشق اور اس شغف کی ہے جو مسلمانوں کو قرآن کریم کے ساتھ تھا،

اس موقع پر غیر متعلق نہ ہوگا۔ اگر اس ارشاد نبویؐ کو بھی ذہن میں رکھا جائے کہ "بلغوا عنی ولو کان اٰیۃ" چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو جو مجھ سے تم کو ملے اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔

اس ارشاد نبویؐ کی جس طرح تعمیل کی گئی وہ اسلامی دعوت وتبلیغ کا ایک زریں باب ہے یہاں اس کا اعادہ مقصود نہیں، صرف اتنا ہی ذہن نشین کر لینا کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے ماتحت آپ کے اصحاب کو کلام مجید کا جو حصّہ بھی پہنچتا اس کو وہ دوسروں تک پہنچا دیتے جو بزرگ مدینہ سے باہر ہوتے، آتے ہی ان کو اس کی تلاش ہوتی کہ کونسی آیت اور کونسی سورہ ان کی عدم موجودگی میں نازل ہوئی ہے، اس کو معلوم کرتے اور یاد کر لیتے، اس سے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ کلام مجید کا کوئی جزبھی ایسا نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں متعدد اصحاب رسول اللہ کو زبانی یاد نہ ہو گیا ہو، اور ان میں سے چند لوگوں نے اسے لکھ بھی نہ لیا ہو۔

حضرت زید بن ثابتؓ تو ہر وقت مدینہ میں موجود رہتے تھے، اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ان کو کتابت وحی کے لیے طلب فرمایا کرتے تھے، اگرچہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری نازل شدہ آیتیں بلا استثناء ان کو لکھا دی گئی ہوں، لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، فرض کیجئے کوئی سورہ یا آیت اس وقت نازل ہوئی جب زیدؓ مدینہ میں نہیں تھے، تو یقینی ہے کہ جب وہ مدینہ واپس آئے ہوں گے تو نازل شدہ آیت یا سورہ کا کھوج لگایا ہو گا، اور معلوم کر کے اس کو لکھ لیا ہوگا، اس لیے یہ محض قیاس نہیں بلکہ یقینی نتیجہ ہے کہ زید بن ثابتؓ اور دوسرے بزرگ اپنے مصاحف کو بالکل اپٹوڈیٹ رکھتے تھے۔

یہ نتیجہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے وقت بالاتفاق زید بن ثابتؓ کے پاس لکھا ہوا مکمل قرآن کا نسخہ موجود تھا، اس سلسلہ میں بخاری کی روایت جس میں "لم یجمع القراٰن" کا ٹکڑا ہے، قابلِ توجہ ہے،

یہ بھی واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی میں کبھی چند آیتیں نازل ہوتیں اور کبھی کبھی پوری پوری سورہ۔ جو سورتیں پوری کی پوری بیک وقت نازل ہوتیں ان کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔

مسند ابن حنبل کی روایت سے اشتباہ ہوتا ہے کہ آیت کی جگہ کبھی کبھی نزول کے کچھ عرصہ بعد متعین ہوتی تھی، اس کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں :۔

کنت جالسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شخص ببصرہ ثم صوبہ حتی کاد ان یلزقہ بالارض ثم شخص ببصرہ... فاتانی جبرئیل۔	میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک آپ کی نگاہیں اٹھیں، پھر اسے ٹھیک کر لیا، یہاں تک کہ آپ کی نگاہیں آپ کے پائے مبارک پر پڑنے لگیں، پھر آپ نے نگاہیں اٹھائیں اور حضرت جبرائیلؑ تشریف لے آئے۔

اس میں نزول وحی کا ذکر نہیں ہے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ جس سے یہ حدیث متعلق ہے، پہلے نازل ہو چکی تھی، اس کے مقام کا تعین بعد میں ہوا۔

لیکن سیوطی نے اتقان میں ایک روایت یہ لکھی ہے :

.... (وقال) الکرمانی فی البرھان ... وکان اٰخر الاٰیات نزولاً۔ "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" فامرہ جبرئیلؑ ان یضعھا بین آیتی الربٰو والدین۔	کرمانی برہان میں کہتے ہیں کہ آخری آیت نزول کے اعتبار سے "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" تھی، حضرت جبرئیل نے اس کے متعلق فرمایا کہ اسے الربٰو اور الدین کے وسط میں رکھا جائے۔

اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس آیت کے نزول کے ساتھ ہی ساتھ اس کا مقام بھی متعیّن کر دیا گیا۔

ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی اس امر سے متعارض نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم آیات کا مقام اور ان کی ترتیب سورتوں میں وحی کے ذریعہ مقرر فرماتے تھے، اور اسی ترتیب سے کاتب وحی کو لکھاتے تھے،

اس سے ہمارا دوسرا مقدمہ یعنی سورتوں کا تعین بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا، ضمناً ثابت ہوتا ہے۔

اس مقدمہ کے ثبوت کے لیے خالی یہ ضمنی شہادت ہی ہمارے پاس نہیں ہے، بلکہ اس کی براہِ راست شہادت اُن احادیث صحیحہ سے ملتی ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سورتوں کی تلاوت نام بہ نام مذکور ہے، شاہ معین الدین لکھتے ہیں :-

"حدیث کی کتابوں میں سورتوں کے فضائل اور نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی تلاوت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تقریباً تمام سورتوں کا ذکر آتا ہے، ان سب کی روایات کا نقل کرنا دشوار ہے، اس لیے صرف ان کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں، بخاری ومسلم میں حسب ذیل سورتوں کی تلاوت نبویؐ کا ذکر ہے "

اس کے بعد نام بہ نام دس سورتوں کا تذکرہ ہے، ابوداؤد میں اسی طرح بیس اور سورتوں کا تذکرہ ہے، ترمذی میں آٹھ مزید سورتوں کا تذکرہ،

ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم ازکم ان سورتوں کو عملی حالما مرتب فرما دیا تھا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

مبادیٔ

تدبرِ قرآن

از مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑا سائز یعنی ۱۸×۲۲/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل، مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ

قیمت -/۶ روپے (محصولڈاک علاوہ)

مکتبہ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۲-افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ
مولانا امین احسن اصلاحی کی
تفسیر
تدبرِ قرآن

جلد اوّل
مشتمل بر مقدمہ و تفاسیر: آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورہ بقرہ و سورۂ آل عمران — سائز ۲۹×۲۲/۸ صفحات ۸۰۰، عمدہ دبیز سفید کاغذ، آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ۔ ہدیہ -/۳۶ روپے

جلد دوم
مشتمل بر تفاسیر: سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام و سورۂ اعراف
سائز، کاغذ، طباعت اور جلد حسب سابق
صفحات ۸۰۸ = ہدیہ ۳۲ روپے

جلد سوم
مشتمل بر تفاسیر: سورۂ یونس تا سورۂ بنی اسرائیل۔ سائز، کاغذ طباعت اور جلد حسب سابق: صفحات ۸۰۸ (زیر طبع)
محصول ڈاک فی جلد: -/۳ روپے

شائع کردہ
مکتبہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۲-افغانی روڈ سمن آباد لاہور

تصنیف
ڈاکٹر سٹین وڈ قاب
سابق پروفیسر رابرٹ کالج، استنبول، ترکیہ

ثقافتی ہیئت کے نشیب و فراز کا ایک نا تمام خاکہ

ترجمہ: پروفیسر اعجاز احمد چودھری
استاذ ہاشمی میموریل کالج آف کامرس، لاہور

ہم نے سابقہ ابواب میں اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے اور یورپ کی جدید مسیحی ثقافت کی ترویج و ترقی کا بھی خاکہ کھینچا ہے۔ اسی یورپی ثقافت کے مقدر میں تھا کہ بالیدگی حاصل کر کے دنیا میں پوری آب و تاب سے ترقی کرے اور فتح و کامرانی سے اقتدار کی مسند پر متمکن ہو۔

کسی تمدن کی مادی ترقی اور سیاسی اقتدار میں کارفرما عوامل کا پتہ چلانا چنداں مشکل نہیں ہے۔ تاریخ واشگاف طور پر ہمیں بتاتی ہے کہ چند ایک مخصوص حالات و عوامل ثقافتوں کی شیرازہ بندی، توسیع و ترقی کے لیے مؤثر و مفید ثابت ہوتے ہیں۔ سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ زندگی کی اساسی و بنیادی ضرورتیں وافر میسر آنی چاہئیں تاکہ عوام و الناس بافراغت اور بے فکری سے بلاجبر و اکراہ اپنی عقلی و فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں۔ ثانیاً دولت اور سرمایہ بھی بافراط ہونا چاہیئے تاکہ ایسے علوم و فنونِ سائنسیہ کی سرپرستی اور ترقی کے لیے ہر ممکن طریق سے خرچ کیا جاسکے۔

بغداد اور اندلس میں اسلامی تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کے پس منظر میں عوامل بدرجۂ اتم کارفرما تھے۔ یونانی مفکر پیری کلیز (PERKLES) کے عہد میں بھی انہی عوامل کی کارفرمائی کی وجہ سے ثقافت کو عروج حاصل ہوا تھا۔ یونانی پایۂ تخت ایتھنز (ATHENS) میں تجارت کے فروغ سے

دولت کے بے بہا خزانے جمع ہوگئے۔ اسی ایتھنز میں ایک لاکھ غلام مزدور جبری بیگار کا فریضہ ادا کر رہے تھے جس سے متوسط ایتھنی شہری دولت و فراغت کی نعمتوں سے بہرہ ور تھا۔ مکئی کی سرکاری نگرانی میں کاشت ہونے لگی۔ بلکہ اس زرعی جنس کی تجارت سے اس عہد میں دولت کی ریل پیل ہونے لگی۔ یورپ کی مادی ترقی اور دولت و ثروت کا راز اس کی معدنی دولت، صنعت و حرفت اور تجارت میں ہی تھا۔ انہی عوامل کی وجہ سے یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا جس کے زیرِ اثر "جدیدیت" (MODERNISM) کی نیو اٹھائی گئی۔

دولت و ثروت اور فراغت بہرحال اس ثقافتی ترقی کے لیے ہی کافی و وافی نہیں ہیں کبھی سلطنت قرطاجہ (CARTHAGE) دولت مند تھی لیکن دنیا کی تہذیب و ثقافت میں اس سلطنت نے کوئی حصّہ نہیں لیا۔ ان دو اساسی ضرورتوں کے علاوہ اقبال و عروج کی آرزومندی، قومی جوش و خروش اور نسلی جذبۂ خود اعتمادی و بلند ہمتی اور عزائم صمیمہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ثقافتی ترقی کے لیے اہم ترین شرائط اقتصادی و سیاسی استحکام و برتری ہیں۔

کسی ثقافت کے عروج و اقبال کے نصف النہار پر پہنچنے کے لیے اس ثقافت کو ایک آزاد نظریۂ حیات یا فلسفۂ تنظیم خود ہی پیش کرنا چاہیئے جس کی تنویری شعاعیں مجہول و مظلوم اقوام تک خود ہی پہنچ کر تسخیر و فتح کا عمل جاری رکھیں گے جس طرح ایک فرد میں جبلّی عبقریت اور پُرسرّ تخلیقیت اس کی ترقی کی ضامن ہوتی ہیں بعینہٖ ایک قوم میں بھی یہی اوصاف اجتماعی طور پر پائے جانے لازمی ہیں۔

اعلیٰ و مقتدر تہذیب جب منازلِ ترقی طے کرنا شروع کرتی ہے تو اس کی وجاہت و شوکت کے پُرکشش نظارے دور سے ہی عبقری ذہنوں کو اپنی طرف مقناطیسی قوت سے کھینچ لیتے ہیں۔ تاریخِ عالم میں اس شاندار مظہرِ تمدّنِ اقوام و ملل کے کئی مناظر ملتے ہیں۔ ایتھنز (ATHENS) نے ایک زمانہ میں یونانی علماء و حکماء کو ایک جگہ لااکٹھا کیا تھا۔ زوال ایتھنز کے بعد سکندریہ اہم علمی و سائنسی علوم کا مرکز بنا۔ آٹھویں صدی شمسی کے آغاز میں اسلامی ثقافت سارے جہاں میں واحد ترقی کا مرکز بن گئی تھی۔ اس کے شاہانہ جاہ و جلال کے پُرشکوہ مناظر سے متاثر ہو کر یہودیوں، ایرانیوں، مسیحیوں، مجوسیوں، اور ترکوں نے اسلامی سلطنتوں کا رخ کیا جب مسیحی تہذیب و تمدن کو عروج نصیب ہونے لگا تو روم اطالوی فلورنس، فرانسیسی پیرس، یورپی برگس (BURGES) اور برطانوی آکسفورڈ مراکزِ کشش قرار پائے۔ جدید دور میں امریکہ سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ اس نئی امریکی دنیا میں روزگار کے سنہری موقعے ہر ایک کو دعوت دے رہے ہیں چنانچہ چند سالوں میں ہی امریکہ ایک ترقی یافتہ ملک بن گیا۔ اس امریکی مادی ترقی میں مختلف نسل

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

جو کچھ عرصہ سے نایاب تھی، اب مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے
زیرِ اہتمام مفید اضافوں کے ساتھ عمدہ سفید کاغذ پر چھپ گئی ہے

یہ رسالہ، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سلمہٗ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے، اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے۔ اندازِ بیان نہایت دلنشین، دلائل نہایت محکم اور اسلوبِ خطاب نہایت ہی مؤثر اور دردمندانہ ہے ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے، اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں "۔

(مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز ۲۲×۱۸/۸، صفحات ۸۰، طباعت آفسٹ، سفید کاغذ اور خوشنما کور۔ ہدیہ صرف ایک روپیہ

: منگوانے کا پتہ:

مکتبہ: مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور۔ ۱۲- افغانی روڈ۔ سمن آباد لاہور

نسل کی اقوام کا حصّہ ہے ۔

(۲)

کسی ثقافت کے زوال کے اسباب و علل کا کھوج لگانا مشکل تر ہے لیکن اس کے عروج کی وجوہات کا اندازہ لگانا نسبتاً سہل ہے۔ مؤرخین نے زوالِ تہذیب وتمدّن میں کئی عوامل کی نشاندہی کی ہے۔ مشہور امریکی مؤرخ آرنلڈ ٹونبیی (TONYBEE) نے فلسفۂ زوال اقوام کا ایک خاکہ مرتب کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کیونکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی ترقی یافتہ ثقافت اپنے اقبال کو ازلی و ابدی طور پہ قائم و مستحکم نہیں رکھ سکتی ثقافت کے اقبال کی ارتقائی چوٹیاں منہدم ہوکر بنجر چٹیل میدانوں میں تبدیل ہوتی آئی ہیں اور ابد تک ہوتی رہیں گی۔ اس حقیقت سے کسی کو مفر نہیں ۔

تاہم عہد جدید کا ایک نیا ثقافتی امکان اپنے اندر شاندار روشن مستقبل رکھتا ہے۔ اس ثقافتی امکان کا راز عصرِ حاضر کی تکنیکی و میکانکی ترقیوں کا لامتناہی سلسلہ ہے مزید برآں یہ دریافت شدہ و ایجاد کردہ میکانکی طریقے ازلی و ابدی استحکام کے حامل ہیں۔ ان پہ زوال طاری نہیں ہو سکتا۔ انہی کے بل بوتے حقیقتاً جدید تہذیب و تمدّن کا خاکہ قائم و دائم رہے گا۔ بلکہ اس کا اقبال ہمیشہ عروج کی بلندیاں طے کرتا رہے گا۔

لیکن میکانیات و تکنیکیات (یعنی مشینیات و فنّیات ہی کسی ثقافت کے عناصرِ غالبہ نہیں ہیں۔ روحانی اقدار، جمالیاتی شعور اور عوامی خوشحالی و شادمانی اصل میں حیات بخش عناصر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ "دنیائے جدید" اپنی میکانکی و تکنیکی عظمت و رفعت کی مثل عظیم الشان و مقتدر اور خوشحالی و پُر مسرّت "عالمگیر ثقافت" کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں کب اور کس قدر کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جدید انسانیت کس طرح اپنی روح کو دریافت کرتی ہے :

انبیاء کرام کے طریق انقلاب پر مولانا امین احسن اصلاحی کی
ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتاب

اقامت دین کے لیے انبیاء کرام کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ۔ غیر مجلّد۔ قیمت ۵۰/=

مکتبہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۲۔ افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

از قلم ——— اسرار احمد

★ فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ★ بنیادی نقطہ نظر ★ عالم اسلام پر مغرب
کی سیاسی و فکری یورش ★ مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل
★علوم عمرانی کا ارتقاء ★ اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی
عیسوی کی اسلامی تحریکیں ★ تعبیر کی کوتاہی ★ احیائے اسلام کی شرط
لازم : تجدید ایمان ★ کرنے کا اصل کام ★ عملی اقدامات

"........Many official and unofficial, political and non-political agencies have recently been trying to issue calls and manifestoes for starting a renaissance movement in the thought of Islam. The most recent and by far the most interesting is a pamphlet by Dr. Israr Ahmed,..........This pamphlet, "Islam Ki Nisha'at-e-Sania", is a very important document and needs to be studied by all Muslims because it makes the attempt, rare in these days, to come to grips with the fundamental issue of our situation as Muslims in the modern world......"

'Cultural Notes' *by* 'ZENO'

The Pakistan Times, Lahore, Friday, June 14, 1968

سائز ۱۸ × ۲۲ 'صفحات ۵۶ ، طباعت آفسٹ' قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاهور

۱۲ - افغانی روڈ ، سمن آباد - لاہور

(فون : ۶۸۲۳۵)

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

از قلم ———— اسرار احمد

✱ فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ✱ بنیادی نقطہ نظر ✱ عالم اسلام پر مغرب
کی سیاسی و فکری یورش ✱ مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل
✱علوم عمرانی کا ارتقاء ✱ اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی
عیسوی کی اسلامی تحریکیں ✱ تعبیر کی کوتاہی ✱ احیائے اسلام کی شرط
لازم : تجدید ایمان ✱ کرنے کا اصل کام ✱ عملی اقدامات

"………Many official and unofficial, political and non-political agencies have recently been trying to issue calls and manifestoes for starting a renaissance movement in the thought of Islam. The most recent and by far the most interesting is a pamphlet by Dr. Israr Ahmed,……….This pamphlet, "Islam Ki Nisha'at-e-Sania", is a very important document and needs to be studied by all Muslims because it makes the attempt, rare in these days, to come to grips with the fundamental issue of our situation as Muslims in the modern world……"

'Cultural Notes' *by* 'ZENO'

The Pakistan Times, Lahore, Friday, June 14, 1968

سائز ۱۸ × ۲۲ 'صفحات ۵۶ ، طباعت آفسٹ' قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲ ۔ افغانی روڈ ، سمن آباد ۔ لاہور
(فون : ۶۸۲۳۵)

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 20 | MAY 1973 | No, 5

لیحق الحق و یبطل الباطل

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورۃ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)

ایم-اے-پی-ایچ-ڈی، ڈی لٹ

"..........محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے.........."

مولانا امین حسن اصلاحی

"..........اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری..........اسلامی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتابچہ ایک دستورالعمل کا درجہ رکھتا ہے.........."

ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ : ڈیڑھ روپیہ' قسم ادنیٰ : ایک روپیہ، محصولڈاک اس کے علاوہ

★

ملنے کا پتہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲ - افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور - (فون : ۶۸۲۳۵)

پبلشر : محی الدین - طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ - لاہور
مقام اشاعت : کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور